زکوٰۃ وصدقات

اہمیت، افادیت اور مسائل

تالیف

حضرت مولانا مفتی محمد اسلام قاسمی صاحب مدظلہ

استاذ حدیث وادب دار العلوم وقف دیوبند

شعبۂ نشر واشاعت

مدرسہ ندوۃ الاصلاح

عبداللہ نگر پھکبندی ضلع جامتاڑا (جھارکھنڈ)

Mob. 9955377314

زکوٰۃ وصدقات

اہمیت، افادیت اور مسائل

تالیف

حضرت مولانا مفتی محمد اسلام قاسمی صاحب مدظلہ

استاذ حدیث وادب دارالعلوم وقف دیوبند

ناشر

شعبۂ نشر واشاعت

مدرسہ ندوۃ الاصلاح

عبداللہ نگر پھکبندی ضلع جامتاڑا (جھارکھنڈ)

تفصیلات

نام کتاب : زکوٰۃ وصدقات اہمیت، افادیت اور مسائل

تالیف : حضرت مولانا محمد اسلام قاسمی

استاذ حدیث وادب دار العلوم وقف دیوبند

اشاعت : شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ - مارچ ۲۰۲۱ء

صفحات : ۹۶

تعداد : گیارہ سو

طباعت : مکتبۃ النور دیوبند

فہرست

عنوان	صفحہ

عرضِ ناشر

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

پیش نظر کتاب ''زکوٰۃ و صدقات، اہمیت، فوائد اور مسائل'' شعبۂ نشر و اشاعت مدرسہ ندوۃ الاصلاح عبداللہ نگر پھکبندی کے تحت شائع ہونے والی کتاب دراصل اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو اس شعبہ کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کا حصہ ہے۔

جب ۲۰۰۹ء میں مدرسہ کا پچاس سالہ اجلاس عام منعقد ہوا تھا جس میں ملک کے مشاہیر علماء کرام، صحافی حضرات، ماہرین تعلیم اور قائدین ملت شریک ہوئے تھے، اور جس میں مدرسے کی زرّیں خدمات کا اعتراف ہوا تھا، اسی اجلاس میں یہ بھی طے پایا تھا کہ عام مسلمانوں کے لیے مفید رسالے اور کتابیں شائع کی جائیں، اور اصلاح معاشرہ کے لیے ضروری دینی مسائل پر مشتمل لٹریچر بھی عام کیا جائے۔ اس کے تحت علاقے کی دینی و تعلیمی تاریخ ''کاروانِ علم'' شائع ہوا اور مقبول ہوا، پھر اسی مقصد سے ایک کتاب ''رمضان المبارک، فضائل و مسائل'' شائع ہوئی اور تقسیم ہوئی۔

اب الحمدللہ! پیش نظر کتاب بھی ادارہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے، جو سرپرست مدرسہ حضرت مولانا محمد اسلام قاسمی استاذ حدیث و ادب دارالعلوم وقف دیوبند کی تصنیف ہے، بجا طور پر ہم کارکنانِ ادارہ اور تمام مخلصین مدرسہ اس کے لیے مصنف محترم کے ممنون ہیں۔

واضح رہے کہ گذشتہ بارہ سالوں سے اسی ادرارے کی جانب سے ایک ''اصلاحی جنتری'' بھی شائع ہوتی ہے جو مفید علمی، تاریخی اور ضروری مسائل پر

مشتمل ہوتی ہے جو ضروری معلومات کے ساتھ ہی اصلاحِ معاشرہ میں کارآمد ثابت ہوتی ہے، اور یہ ایسی خدمت ہے جس کو ہم اللہ ربّ العزت کی توفیق اور مخلصین مدرسہ کی کوششوں کا نتیجہ سمجھتے ہیں، اللہ ہماری کاوشوں کو قبول فرمائے۔ آمین

مدرسہ کی مقبولیت میں اساتذہ کرام، کارکنان اور علاقے کے تمام مسلمانوں کی محنتوں اور دعاؤں کی شمولیت ہے، اسی طرح مدرسہ کے سابق سکریٹری الحاج محمد حسین انصاری کی نگرانی اور مفید مشوروں کا بہت بڑا کردار رہا ہے، لیکن ان کی وفات (۳/اکتوبر ۲۰۲۰ء) کے بعد مجلس منتظمہ نے جناب حفیظ الحسن صاحب کو مدرسہ کی نگرانی کی ذمہ داری سپرد کردی۔

اس کتاب کی طباعت واشاعت کے لیے حسب روایت جناب حفیظ الحسن صاحب کے شکرگذار ہیں جن کے مالی تعاون سے کتاب آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، یہاں یہ ذکر بے جانہ ہوگا کہ جناب حفیظ الحسن صاحب سکریٹری مدرسہ کو ریاست جھارکھنڈ میں کابینی درجے کا وزیر متعین کیا گیا ہے، حاجی حسین انصاریؒ کے جانشین کے طور پر وزیر بنائے جانے کے لیے ہم مبارک باد بھی پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ ان کو علاقے کی خدمت کی توفیق عنایت فرمائے اور مقبولیت عطا فرمائے۔ آمین

اخیر میں ہم تمام مخلصین و محسنین مدرسہ اور متعلقین کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ انھیں اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

محی الدین قاسمی صدرالمدرّسین مدرسہ

عبدالمعید قاسمی ناظم مدرسہ

مدرسہ ندوۃ الاصلاح

عبداللہ نگر پھلبندی، ضلع جامتاڑا (جھارکھنڈ)

صدقہ وزکوٰۃ

’’صدقہ‘‘ لغت میں اس مال کو کہا جاتا ہے جو اللہ کے لیے خرچ کیا جائے (قاموس) یعنی اللہ کی رضا کے لیے جو مال کسی کو دیا جائے وہ صدقہ کہلاتا ہے، اس کے بالمقابل اگر کسی انسان کو خوش کرنے کے لیے مال خرچ کیا جائے اس کو ’’ہبہ‘‘ یا ’’ہدیہ‘‘ کہتے ہیں۔

اللہ کی راہ میں یا لوجہ اللہ جو مال خرچ کیا جائے یا کسی کو دیا جائے وہ صدقہ کہلاتا ہے، پھر صدقے کی دو قسمیں ہیں، ایک فرض صدقہ دوسرے صدقۂ نافلہ، وہ صدقہ جو فرض ہے وہ صدقہ واجبہ کہلاتا ہے، اسی لئے زکوٰۃ کو بھی عربی میں صدقہ کہا گیا ہے، قرآن کریم میں جہاں کہیں صدقہ مطلقاً استعمال ہوا ہے اس سے زکوٰۃ یا صدقۂ واجبہ ہی مراد ہے، صدقۂ واجبہ ہی میں صدقۃ الفطر یا نذر (منت) کا صدقہ بھی داخل ہے اور جو صدقات نافلہ ہیں وہ صدقات وخیرات کہلاتے ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا مفہوم صدقۂ واجبہ پر صادق آتا ہے، اس لیے ذیل میں زکوٰۃ وصدقہ کے سلسلے میں جو قرآنی آیات و روایاتِ حدیث پیش کی جارہی ہیں وہ صدقۂ واجبہ ہی سے متعلق ہیں، دیگر صدقات اور خیرات کے لیے بھی قرآن وحدیث میں ترغیب ہے اس کے لیے جو آیتیں یا روایتیں ہیں ان کو الگ عنوان کے تحت ذکر کیا جائے گا۔

انفاق فی سبیل اللہ

زکوٰۃ وصدقات،قرآن وحدیث کی روشنی میں

زکوٰۃ وصدقات قرآن میں

زکوٰۃ دین اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے تیسرا اہم رکن ہے، ایمان لانے یعنی شہادتِ توحید ورسالت کے بعد دوسرا سب سے نمایاں اور اہم رکن نماز ہے، اس کے بعد ہی تیسرا استون زکوٰۃ کی ادائیگی ہے، چناں چہ قرآن کریم میں ستر سے زیادہ مقامات پر اقامت صلاۃ کے ساتھ ساتھ ایتاء الزکوٰۃ (زکوٰۃ کی ادائیگی) کا ذکر ملتا ہے، جس سے خود ظاہر ہوتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کی حیثیت اور اہمیت یکساں ہے، دونوں کی ادائیگی بنیادی فرائض میں داخل ہے، اس کے ساتھ ہی زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کی تفصیل خود نبی آخر الزماں نے اپنے ارشادات میں ظاہر فرمادی ہے، ہم یہاں زکوٰۃ وصداقت کی فرضیت اہمیت اور اس کے فوائد واحکام پر مشتمل کچھ قرآنی آیات اور احادیث رسول پیش کر رہے ہیں۔

سب سے پہلے انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں خرچ کرنا) سے متعلق وہ آیات ذکر کر رہے ہیں جو مجموعی طور پر زکوٰۃ وصدقات کے بارے میں ہیں۔

سورۂ آلِ عمران پارہ ۴ کی پہلی آیت:

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۹۲﴾ (آل عمران)

ترجمہ: ہرگز نہ حاصل کرسکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز میں سے کچھ، اور جو چیز خرچ کرو گے وہ اللہ کو معلوم ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے کہ تم خیر کامل اور کمال نیکی اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے، اور جو کچھ اللہ کی راہ میں دو گے، اچھی ہو یا غیر پسندیدہ، نیک نیت سے یا کسی اور انداز میں، اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے واقف ہیں، اور اسی لحاظ سے اس پر ثواب بھی دیں گے۔

اس آیت میں خرچ کرنے کی جو ترغیب ہے اس سے زکوٰۃ بھی مراد ہے اور اس کے علاوہ صدقات نافلہ بھی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''اس آیت میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب ہے، اس سے مراد بعض مفسرین حضرات کے نزدیک صدقات واجبہ زکوٰۃ وغیرہ ہیں، اور بعض کے نزدیک صدقات نافلہ ہیں، لیکن جمہور محققین نے اس کے مفہوم کو صدقات واجبہ اور نفلیہ دونوں میں عام قرار دیا ہے، اور صحابۂ کرام کے واقعات متذکرہ بالا اس پر شاہد ہیں کہ ان کے یہ صدقات صدقاتِ نفلیہ تھے، اس لیے مفہوم آیت کا یہ ہوگیا کہ اللہ کی راہ میں جو صدقہ بھی ادا کرو خواہ زکوٰۃ فرض ہو یا کوئی نفلی صدقہ وخیرات، ان سب میں مکمل فضیلت اور ثواب جب ہے کہ اپنی محبوب اور پیاری چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو، یہ نہیں کہ صدقہ کو تاوان کی طرح سر سے ٹالنے کے لیے فالتو، بیکار یا خراب چیزوں کا انتخاب کرو۔''

(معارف القرآن جلد اوّل ص ۱۰۸)

زکوٰۃ کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ مالداروں سے وصول کرلیں تاکہ ان کے مال پاک ہوجائیں اور ان کے نفس کا بھی تزکیہ ہوجائے۔ وہ یہ آیت ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا (سورۂ توبہ)

ترجمہ: آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک وصاف کردیں گے۔

گویا یہ زکوٰۃ تزکیۂ مال ونفس اوراس کی تطہیر کے لئے ہے۔

اور زکوٰۃ کی فرضیت کیلئے سب سے پہلے قرآن کریم کی یہ آیت ملاحظہ فرمائیں جس میں نماز کے ساتھ ہی زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم ہے۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًاؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًاؕ (سورۂ مزمل)

ترجمہ: اور نماز (فرض) کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو اچھی طرح (یعنی اخلاص سے) قرض دو اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے (ذخیرۂ آخرت بناکر) بھیج دوگے اسکو اللہ کے پاس (پہنچ کر اس سے) اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤگے۔

اور زکوٰۃ کن کو ادا کی جائے، یعنی کن مصارف میں خرچ کی جائے، اس کی تفصیل بھی اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں بیان فرمائی:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰

ترجمہ: زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانیوالوں کا اور جن کی دلجوئی منظور ہو اور گردنوں کو چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے راستے میں اور راہ کے مسافر کو، مقرر کیا ہوا ہے اللہ کا، اور اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ (سورۂ توبہ)

اس آیت کی وضاحتی تشریح حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر طور پر اس طرح تحریر فرمائی ہے:

”(فرض) صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات (کی تحصیل وصول کرنے) پر متعین ہیں، اور جن کی دلجوئی کرنا (منظور) ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں (صرف کیا جائے) اور قرضداروں کے قرضہ (ادا کرنے) میں اور جہاد (والوں کے سامان) میں اور مسافروں (کی امداد) میں یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے، بڑی حکمت والے ہیں۔“

اس آیت میں زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے آٹھ مصارف کا ذکر اس تفصیل کے ساتھ ہے:

۱۔فقراء (غریب اور ضرورتمند جو صاحب نصاب نہ ہوں)

۲۔مساکین یعنی نادار (جو کسی بھی مال کے مالک نہ ہوں)

۳۔حکومتِ اسلامیہ کے وہ ملازمین جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور ہوں۔

۴۔مؤلفۃ القلوب یعنی وہ افراد جن کی دلجوئی مقصود ہو، ابتدائے اسلام میں ایسے افراد کو زکوٰۃ دی جاتی تھی جن کی دلجوئی اور اسلام کی جانب رغبت دلانا مقصود ہوتا۔

۵۔ایسے غلام جو اپنی آزادی کیلئے مالی مدد چاہتے ہوں۔

۶۔ایسے قرض دار جن کو قرض ادا کرنے کیلئے مالی مدد کی ضرورت ہو۔

۷۔فی سبیل اللہ۔ اس میں کئی قسم کے لوگ داخل ہیں، مثلاً مجاہد، اہل علم اور اللہ کی راہ میں کام کرنیوالے، مگر ان کے لئے فقر شرط ہے۔

۸۔وہ مسافر جو حالت سفر میں ضرورتمند ہو جائیں۔

(مصارفِ زکوٰۃ کی تفصیل انشاء اللہ الگ عنوان کے تحت ذکر کی جائیگی)

نیز قرآن کریم میں زکوٰۃ وصدقات کے فضائل مختلف مقامات پر مذکور ہیں،

اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر جو وعیدیں ہیں اس کے بارے میں بھی قرآنی آیات ہماری رہنمائی کرتی ہیں، فضیلت پر مشتمل یہ آیت بطور مثال ذکر کی جارہی ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦١﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٦٢﴾

(سورۂ بقرہ، آیت ۲۶۱-۲۶۲)

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے (فرض کرو) سات بالیں جمیں (اور) ہر بال کے اندر سو دانے ہوں اور یہ افزونی خدا تعالیٰ جس کو چاہتے ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے، جاننے والے ہیں۔ جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو (اس پر) احسان جتاتے ہیں اور نہ (برتاؤ سے) اس کو آزار پہونچاتے ہیں ان لوگوں کو (ان کے اعمال کا) ثواب ملے گا ان کے پروردگار کے پاس، اور نہ ان پر کوئی خطرہ ہوگا اور نہ یہ مغموم ہونگے۔ (ترجمہ از حکیم الامت حضرت تھانویؒ)

اسی طرح زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر جو وعید آئی ہے وہ اس آیت سے ظاہر ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣٤﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿٣٥﴾ (سورۂ توبہ)

ترجمہ: جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں

خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں (اوّل) تپایا جائیگا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی گردنوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا۔ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر رکھا تھا، سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

قرآن کریم میں اللہ کے دیئے حکم کے مطابق اللہ کی راہ میں خرچ کرنے (زکوٰۃ وصدقات) کی فضیلت اور خرچ نہ کرنے پر عذاب کی تنبیہ پر مشتمل دو حصے ذکر کئے گئے، پہلی دو آیتوں میں انفاق فی سبیل اللہ کی برکت اور اس پر اللہ کی جانب سے اجر وثواب کا تذکرہ ہے، ان میں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اللہ کے لئے خرچ کرنے والے یہ وہ بندے ہیں جو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں، اس لئے وہ ادائیگی کے بعد اس پر احسان نہیں جتاتے، ایسے افراد کو ان کے اعمال کا ثواب بھی ملے گا اور غموں سے بے فکر رہیں گے، گویا زکوٰۃ ادا کرنے کے ساتھ یا اس کے بعد اگر احسان جتاتے ہیں اور بطور فخر ذکر کرتے ہیں تو وہ اس اجر وثواب سے محروم ہو سکتے ہیں۔

اور دوسری آیت وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الخ میں وعید ہے ایسے لوگوں کیلئے جنہیں اللہ نے مال و دولت عطا فرمایا ہے اور وہ سب اپنی محنت اور اپنا حق سمجھ کر اسے جمع کر کے رکھتے ہیں اور جتنا حصہ غریبوں کیلئے اللہ نے فرض کیا ہے وہ ادا نہیں کرتے اور مزید صدقات بھی نہیں دیتے، ان کے لئے قیامت میں دردناک سزا کی خبر دی گئی ہے، اس مال ودولت کے بدلے ان کے چہرے، گردن اور پشت کو آگ سے داغا جائے گا، اور یہ بتا دیا جائیگا کہ جو مال جمع کر کے بیٹھ گئے تھے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کیا یہ اس کی سزا ہے۔

زکوٰۃ وصدقات اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے متعلق بعض آیات کا ذکر اور اس کی تفسیر کے بعد اب ان احادیث رسول کو پیش کرنیکی سعادت حاصل کر رہا

ہوں جن میں زکوٰۃ کی اہمیت، اس کی فرضیت اور اس کے فوائد و مسائل کا ذکر ہے۔

زکوٰۃ و صدقات احادیث میں

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: بنی الاسلام علی خمس، شھادۃ ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا عبدہ ورسولہ، و اقام الصلاۃ، وایتاء الزکاۃ، والحج ،و صوم رمضان.(بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم ہے، ایک اس بات کی گواہی دینا (اقرار کرنا) کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے زکوٰۃ ادا کرنا، چوتھے حج کرنا، پانچویں رمضان کے روزے رکھنا۔

یہ حدیث دراصل اسلام کے بنیادی ارا کین پر مشتمل بہت جامع اور کامل ہے، ایمان لانے کے بعد جو چار بنیادی ارا کین ہیں، مختصر طور پر ان کا بیان۔ ۱-نماز ۲-زکوٰۃ، ۳-حج، ۴- روزہ، جس طرح یہ چاروں عبادتیں مکمل اور دائمی فرض ہیں، دراصل وہ اسلام کے بنیادی ستون ہیں، اس سے زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔

اس سلسلے کی دوسری حدیث جو حقیقت میں زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کے مقصد کو واضح کرتی ہے، وہ حدیث ہے جو حضرت معاذ بن جبل کو یمن کے والی (گورنر) بنا کر بھیجنے کے واقعہ سے متعلق ہے، اکثر علماء اور اصحاب سیر کی تحقیق کے مطابق ۹ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا والی اور قاضی بنا کر بھیجا، اس موقع پر آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جو ہدایتیں دی اور نصیحت فرمائی اس میں زکوٰۃ کی تفصیل پر روشنی پڑتی ہے، حدیث ملاحظہ ہو:

عن ابن عباس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بعث معاذا الی الیمن فقال: انک تاتی قوما اهل کتاب فادعهم الی شهادة ان لا اله الا اللّٰہ و ان محمدا رسول اللّٰہ فان هم أطاعوا لذلک فأعلمهم ان اللّٰہ قد فرض علیهم خمس صلوات فی الیوم و اللیلة فان هم أطاعوا لذلک فأعلمهم ان اللّٰہ قد فرض علیهم صدقة تؤخذ من اغنیائهم فترد علی فقرائهم فان هم أطاعوا لذلک فایاک و کرائم أموالهم و اتق دعوة المظلوم فإنه لیس بینها و بین اللّٰہ حجاب۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو (رخصت کرتے ہوئے اُن سے) فرمایا کہ تم وہاں ایک صاحبِ کتاب قوم کے پاس پہنچو گے (جب تم ان کے پاس پہنچو) تو (سب سے پہلے) اُن کو اِس کی دعوت دینا کہ وہ (اِس حقیقت کو مانیں اور) اس کی شہادت ادا کریں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، اور محمدؐ اُس اللہ کے رسول ہیں۔ پھر اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو تم انکو بتلاؤ کہ اُس اللہ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، پھر اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتلاؤ کہ اللہ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کی ہے، جو اُن میں کے مالداروں سے وصول کی جائے گی اور انہی میں کے فقراء اور غرباء کو دے دی جائے گی، پھر اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو (زکوٰۃ کی وصولیابی کے سلسلے میں چھانٹ چھانٹ کے) اُن کے اچھے نفیس اموال لینے سے پرہیز کرنا (بلکہ اوسط کے حساب سے وصول کرنا اور اِس بارے میں کوئی ظلم وزیادتی کسی پر نہ کرنا) اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیوں کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی روک نہیں ہے (وہ بلا روک ٹوک سیدھی بارگاہِ خداوندی میں پہنچتی ہے اور قبول ہوتی ہے)۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

یہ واقعہ اکثر علمائے سیر واہل مغازی کے نزدیک سن ۹ ھ/ہجری کا ہے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا، اس وقت یمن جزیرۃ العرب میں ایک نمایاں حیثیت کا حامل تھا، گرچہ اب وہاں سلطنت اور امارت زوال پذیر تھی، مگر ایک زمانے میں یمن میں ایک مستحکم حکومت رہ چکی تھی، مال و دولت کی فراوانی بھی تھی، اور اب جب اسلام کا ظہور ہو چکا تھا اور جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کی حکمرانی قائم ہوچکی تھی، مختلف علاقوں میں مسلم حکمراں والی کی حیثیت سے بھیجے جارہے تھے، یمن میں بت پرست قوم بھی تھی، مگر ابھی وہاں ایک بڑا طبقہ اہل کتاب (نصاریٰ ویہود) کا موجود تھا، جو ایک اللہ کی کبریائی اور اس کے معبود ہونے کا علم رکھتا تھا، ان کو اسلام کی دعوت دینا اور انہیں حلقہ بگوش اسلام کرنا سہل تھا، اسلئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اہل کتاب میں سے ایک قوم کے پاس پہنچو گے تو ان کو ایمان کی دعوت دینا یعنی ایک اللہ کا اقرار اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول تسلیم کرنا، اور جب وہ ایمان لے آئیں تو انہیں اقامت صلوٰۃ یعنی دن رات میں پانچ نمازوں کی فرضیت بتانا اور وہ نماز کی بات مان لیں تو انہیں بتادینا کہ اللہ نے تم پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔

اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد جو سب سے اہم فریضہ بتلایا وہ زکوٰۃ ادا کرنا تھا، اس کے ساتھ ہی زکوٰۃ کس سے وصول کریں اور کن پر خرچ کریں اسکی وضاحت بھی فرمادی **"تؤخذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم"** یعنی یہ زکوٰۃ وہاں کے دولت مندوں سے لی جائیگی اور اسی قوم کے ضرورتمندوں میں خرچ کردیجائیگی، یہ نہ حکومت کا ٹیکس ہے، نہ حاکم کا اور نہ مبلّغ اسلام کا حق ہے، بلکہ معاشرے کی فلاح اور ضرورتمندوں کی کفالت کیلئے ہے اور زکوٰۃ کی وصولی میں

پورے انصاف سے کام لیا جائے گا، اس واقعے میں آنحضور نے حضرت معاذؓ کو مزید نصیحتیں بھی فرمائیں جو ایک اچھے حاکم کی صفات ہو سکتی ہیں، ظلم و زیادتی سے منع بھی فرمایا۔

اصل میں اس حدیث میں زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کی افادیت کیلئے رہنما خطوط متعین کر دیئے گئے، نماز کی طرح زکوٰۃ بھی فرض ہے، اور زکوٰۃ اصحابِ ثروت اور مالداروں پر فرض ہے اور اس کے خرچ کی راہ فقراء اور ضرورتمند ہیں۔

ارشاد نبوی کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ زکوٰۃ مال کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے، روایت ہے:

عن ابن عباس قال لمّا نزلت هذه الآية "وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ الآية" كبر ذلک علی المسلمين فقال عمر: انا افرج عنكم فانطلق فقال يا نبی الله انه كبر علی اصحابک هذه الآية فقال: ان الله لم يفرض الزكوٰة الا ليطيب ما بقی من اموالكم و انما فرض المواريث و ذكر كلمة لتكون لمن بعدكم فقال فكبّر عمر ثم قال: الا اخبرک بخير ما يكنز المرء المرأة الصالحة اذا نظر اليها سرّته و اذا امرها اطاعته و اذا غاب عنها حفظته۔ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب (سورۂ توبہ کی) یہ آیت نازل ہوئی:

وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور جولوگ سونا چاندی (وغیرہ مال و دولت) بطور ذخیرے کے جمع کرتے اور جوڑتے رہتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو اے پیغمبر! آپ ان (پرستارانِ دولت) کو (آخرت کے) دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے (یہ عذاب انہیں اُس دن ہوگا) جس دن کہ اُن کی جمع کردہ دولت کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے اُن کے ماتھے، اُن کے پہلو اور اُن کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور اُن سے) کہا جائے گا یہ ہے (تمھاری وہ دولت) جس کو تم نے اپنے لئے جوڑا تھا اور ذخیرہ کیا تھا، پس مزا چکھو تم اپنی دولت اندوزی کا۔

(تو جب یہ آیت نازل ہوئی جس میں ذخیرے کے طور پر مال و دولت جمع کرنے والوں کے لئے آخرت کے سخت دردناک عذاب کی وعید ہے) تو صحابہؓ پر اس کا بہت بوجھ پڑا (اور وہ بڑی فکر میں پڑ گئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمھاری اس فکر اور پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کروں گا، چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا کہ حضرتؐ! آپ کے اصحاب پر اس آیت کا بڑا بوجھ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ پاک نے زکوٰۃ تو اسی لئے فرض کی ہے کہ اس کی ادائیگی کے بعد جو مال باقی رہ جائے وہ پاک ہو جائے اور (اسی طرح) میراث کا قانون اس لیے مقرر کیا ہے کہ۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہاں ایک کلمہ آپ نے کہا تھا جو مجھے یاد نہیں آ رہا۔ (لیکن میراث کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ میراث کا قانون اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ) تمھارے پسماندگان کیلئے سہارا ہو۔ حضرت عمرؓ نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب سن کر خوشی میں) کہا اللہ اکبر! اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: میں تم کو وہ بہترین دولت بتاؤں جو اس کی مستحق ہے کہ اس کو حاصل کیا جائے، اور قدر کے ساتھ رکھا جائے، وہ نیک خصلت اور صالح زندگی والی رفیقۂ حیات ہے جس کو آدمی دیکھے تو روح اور دل خوش ہو اور جب شوہر کہیں باہر جائے تو

اس کی عدم موجودگی میں اس کے گھر بار اور ہر امانت کی حفاظت کرے۔(سنن ابی داؤد)

دراصل سورۂ توبہ میں ایک آیت نازل ہوئی ''وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ الخ''، تو اس سے بعض صحابہ کو تشویش ہوئی اور حضرت عمر فاروق نے اس کا اظہار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، اس پر آنحضور نے وضاحت فرمائی، اس کی مختصر تشریح مولانا محمد منظور نعمانی نے اپنی مشہور کتاب معارف الحدیث جلد ۴ میں کی ہے، اس کو پیش کیا جاتا ہے:

تشریح: سورۂ توبہ کی جس آیت کا حدیث میں ذکر ہے جب وہ نازل ہوئی تو صحابۂ کرامؓ نے اُس کے ظاہری الفاظ اور انداز سے یہ سمجھا کہ اس کا مطلب اور مطالبہ یہ ہے کہ اپنی کمائی میں سے کچھ بھی پس انداز نہ کیا جائے اور دولت بالکل ہی جمع نہ کی جائے، جو ہو سب خدا کی راہ میں خرچ کر دیا جائے، اور ظاہر ہے کہ یہ بات انسانوں کیلئے بہت ہی بھاری اور بڑی دشوار ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں استفسار کیا، آپؐ نے فرمایا کہ اس آیت کا تعلق اُن لوگوں سے ہے جو مال و دولت جمع کریں اور اس کی زکوٰۃ نہ ادا کریں، لیکن اگر زکوٰۃ ادا کی جائے تو پھر باقی مال حلال اور طیب ہو جاتا ہے۔ آپؐ نے اس موقع پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لئے فرض کی ہے کہ اس کے نکالنے سے باقی مال پاک ہو جائے۔اس کے بعد آپ نے مزید فرمایا کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قانونِ میراث اسلئے رکھا ہے کہ آدمی کے اٹھ جانے کے بعد اُس کے پسماندگان کے لئے ایک سہارا ہو۔ اِس جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی اشارہ فرمایا ہے کہ اگر پس انداز کرنا اور مال و دولت کا جمع کرنا مطلقاً منع ہوتا تو شریعت میں زکوٰۃ کا حکم اور میراث کا قانون ہی نہ ہوتا، کیوں کہ شریعت کے ان دونوں حکموں کا تعلق جمع شدہ مال ہی سے ہے، اگر مال و دولت رکھنے کی بالکل

اجازت نہ ہوتو زکوٰۃ اور میراث کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصل سوال کے اس جواب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی ذہنی تربیت کے لئے ایک مزید بات یہ بھی فرمائی کہ مال وزر سے زیادہ کام آنے والی چیز جو اِس دنیا میں دل کے سکون اور روح کی راحت کا سب سے بڑا سرمایہ ہے اچھی صاحبِ صلاح، نیک سیرت اور اطاعت شعار رفیقۂ حیات ہے، اس کی قدر مال ودولت سے بھی زیادہ کرو، اس کو اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت سمجھو۔ یہ بات آپ نے اس موقع پر اس لئے فرمائی کہ اُس دور میں عورتوں کی بڑی ناقدری اور اُن کے ساتھ بڑی بے انصافی کی جاتی تھی۔

"عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب - ولا يقبل الله إلا الطيب - فإن الله يتقبلها بيمينه ثم يربيها لصاحبها كما يرى أحدكم فلوه حتى تكون مثل الجبل۔"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک کھجور کے برابر پاک کمائی سے صدقہ کرے - اور اللہ تعالیٰ صرف پاک ہی قبول کرتا ہے -تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے لے کر قبول کرتا ہے، پھر اس کے مالک کیلئے اس کی پرورش کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنی گھوڑی کے بچے کی پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ صدقہ (کھجور کے برابر والا) قیامت کے دن پہاڑ کے برابر ہوجائے گا۔

اسی طرح زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعید بھی آئی ہے:

"عن ابن مسعود رضی الله عنه عن النبی صلى الله عليه وسلم قال ما من رجل لا يؤدي زكوة ماله إلا جعل الله يوم القيامة في عنقه شجاعا، ثم قرأ علينا مصداقه من كتاب الله: "وَلَا يَحْسَبَنَّ

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (الآیۃ من سورۃ آل عمران)"

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا قیامت کے دن اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں اس کی گردن میں ڈال دیا جائیگا، پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مضمون کی آیت ہمیں پڑھ کر سنائی (آیت کا ترجمہ یہ ہے) اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دی کہ یہ بات ان کیلئے کچھ بہتر ہوگی بلکہ یہ بات (مال میں بخل کرنا) ان کی بہت بری ہے، وہ لوگ قیامت کے دن طوق پہنا دیئے جائیں گے اس مال کا جس میں انہوں نے بخل کیا تھا۔

زکوٰۃ اسلام کا بنیادی رکن

دین اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "بنی الاسلام علی خمس" یعنی اس دین کے پانچ بنیادی ارکان ہیں، ان پانچ ستونوں کی تفصیل بخاری و مسلم کی اس روایت میں اس طرح ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ و اقام الصلاۃ و ایتاء الزکاۃ و الحج و صوم رمضان۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم ہے، ایک اس بات کی گواہی دینا (اقرار کرنا) کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے زکوٰۃ ادا کرنا، چوتھے حج کرنا، پانچویں رمضان کے روزے رکھنا۔

دراصل اس حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کو ایک عمارت سے تشبیہ دی ہے جو چند ستونوں پر قائم ہو، پھر آپ نے عمارت اسلام کے ان پانچ ستونوں (ارکان) کی تفصیل بتائی کہ شہادتِ توحید و رسالت، اقامتِ صلوٰۃ، زکوٰۃ کی ادائیگی، حج اور ماہ رمضان کے روزے ہیں۔ ایسا نہیں کہ دین میں فرائض یہی پانچ ہیں بلکہ یہ تو عمارت کے بنیادی ستون ہیں جن پر یہ عمارت قائم

ہے، البتہ دیگر فرائض اسکی دیواریں اور دوسرے لازمی اجزاء ہیں اور یہی پانچ ارکان دین میں بالذات مطلوب ومقصود ہیں، اوران کی فرضیت کسی عارض یا کسی خاص حالت سے وابستہ نہیں بلکہ یہ مستقل اوردائمی فرائض ہیں۔

اس حدیث کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے کہ دین اسلام کی پانچ بنیادیں ہیں:

۱-شہادتِ توحید ورسالت

۲-اقامتِ صلوٰۃ (نماز)

۳-زکوٰۃ

۴-روزہ

۵-حج

سب سے پہلے ایمان کی دعوت، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کو واحد معبود رب مان لیں اور یہ بھی تسلیم کرلیں کہ نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور نبی ہیں، اس اقرار اور یقین کے ساتھ انسان دین اسلام کے حلقے میں داخل ہوجاتا ہے، پھراس دین کے چار بنیادی ستون اور ارکان ہیں، سب سے پہلے نماز کی ادائیگی، پھرزکوٰۃ کی ادائیگی اورروزہ رکھنا، نیزحج کرنا۔

پھران بنیادی ارکان میں سے بعض جسمانی عبادت کے زمرے میں آتے ہیں، بعض مالی اور بعض جسمانی اور مالی دونوں۔ پھران کی ادائیگی میں بھی کچھ تفصیل، سب سے پہلے نماز قائم کرنا ہے جو ہر عاقل، بالغ مردوعورت پراس طرح فرض ہے کہ دن میں پانچ اوقات میں اس کی ادائیگی لازم ہے، اس کے بعد اسی انداز میں روزے کا مسئلہ ہے کہ ہر مردوعورت عاقل وبالغ پر ماہ رمضان المبارک کے پورے روزے رکھتے ہیں (عذشرعی کی رعایت بھی ملحوظ رہے، مگران کیلئے بھی اس کی قضالازم ہوگی)، اس کے علاوہ دوفریضے زکوٰۃ اورحج ہر ہرفرد پرفرض نہیں ہیں

بلکہ اس میں تفصیل ہے کہ حج پوری زندگی میں صرف ایک بار لازم ہے اور وہ بھی اس شخص (مرد و عورت) پر جو مالی طور پر حج ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو۔

اور زکوٰۃ سال میں صرف ایک بار ادا کرنا لازم ہے اور ان افراد پر جو صاحب نصاب (یعنی غنی اور مالدار) ہوں، صاحب نصاب وہ شخص کہلائے گا جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی ہو یا اس کی مقدار کی مالیت ہو، اور ضروریاتِ زندگی سے زائد ہو، اسی طرح مال تجارت میں یہی نصاب ملحوظ رہے گا، البتہ پیداواری زمین کی زکوٰۃ اسکی پیداوار کا ہی ایک مخصوص حصہ ''عشر'' (دسواں حصہ) یا نصف عشر (بیسواں حصہ) کی صورت میں ادا کی جائیگی۔ (اسکی تفصیل آئندہ صفحات میں ذکر کی جائیگی)

یہاں ذکر ہے زکوٰۃ کا، جو اسلام کا تیسرا رکن ہے، ایمان کے اقرار کے بعد جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومن بندے کو نماز کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اسی طرح زکوٰۃ ادا کرنا بھی لازم کیا گیا ہے، قرآن مجید میں ستّر سے زائد مقامات پر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ساتھ ساتھ اس طرح کیا گیا ہے لگتا ہے دونوں کی اہمیت اور حیثیت ایک ہی ہے، جس طرح نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور یہ اس کے ایمان کی پہچان ہے، اسی طرح زکوٰۃ بھی مومن پر لازم ہے، ایک جسمانی عبادت ہے تو دوسری مالی عبادت، دونوں کی اہمیت، حیثیت اور مقام میں کوئی کمی زیادتی نہیں۔

اور جس طرح نماز کی عبادت کا مقصد اپنی عبودیت (بندگی) کا اظہار اور اللہ کے حکم کی تعمیل و اطاعت ہے اسی طرح زکوٰۃ بھی اللہ کی اطاعت اور اس کی رضامندی کے حصول کا ذریعہ، نماز کی طرح زکوٰۃ کے بھی اصول وضوابط، اور اغراض ومقاصد ہیں، ان کی پابندی ایک صالح معاشرے کیلئے نہایت ضروری ہے اور اگر ہم زکوٰۃ کا مقصد اور اس کے فوائد جاننا چاہیں تو قرآن کی ایک آیت اور

حدیث کا ایک حصہ اس کی وضاحت کیلئے کافی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا (سورۂ توبہ)

ترجمہ: آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک وصاف کردیں گے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

تو خذ من أغنيائهم و ترد إلى فقرائهم۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ان کے دولت مندوں سے وصول کی جائے اور ان کے ضرورتمندوں میں لوٹائی جائے۔

ان ارشادات کی روشنی میں زکوٰۃ کے مقاصد اور فوائد کا خلاصہ اس طرح کیا جاسکتا ہے:

۱- زکوٰۃ مال کی تطہیر کا ذریعہ بھی ہے اور اس سے انسانی قلب ونفس کا تزکیہ مقصود ہے کہ اس کے ذریعہ زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو حب دنیا، حب مال، حرص اور بخل سے پاک کردیا جائے۔

۲- زکوٰۃ ادا کرنیوالا اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنی عبودیت کا اظہار کرتا ہے اور اسکی اطاعت میں اپنے محبوب مال ودولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔

۳- اس سے ضرورت مندوں کی امداد ہوتی ہے، مسکین اور حاجت مندوں سے ہمدردی کا اظہار بھی ہے۔

۴- مالِ زکوٰۃ مالداروں سے لیکر غرباء ومحتاج افراد کو دیا جاتا ہے تاکہ معاشرے سے اجتماعی فقر وفاقہ کا ازالہ بھی ہو۔

۵- انسان کو مال و دولت سے بیحد محبت ہوتی ہے، اسی لئے اس میں بخل، کنجوسی اور حرص جیسی بری عادتیں پنپتی ہیں، زکوٰۃ ادا کرنے سے ان عادتوں سے

نجات بھی حاصل ہوتی ہے۔

۶-معاشرے میں فقروفاقہ کی راہ سے چوری، ڈکیتی، رہزنی اورلوٹ مار جیسے جرائم جنم لیتے ہیں، اگر انسان اپنے ضرورتمند بھائیوں اور غریبوں کی مدد زکوٰۃ وصدقات سے کرے تو یہ جرائم ختم یا کم ہو سکتے ہیں، اورایک پرامن وصالح معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

اورسب سے بڑی بات یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال جب ضرورتمندوں میں تقسیم ہوتو یہ ان پر احسان نہیں ہوتا، اللہ کی جانب سے عائدکردہ مالداروں پر ایسا حق ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کر کے اس فریضے سے سبکدوش ہوتے ہیں، اور یہ ضرورتمند افراد اس کا ذریعہ بنتے ہیں، پھر مجموعی طور پر پورے معاشرے میں اللہ کی جانب سے ایک عادلانہ تقسیم ہے جس سے معاشرہ کے ہرفرد کی ضرورت کی تکمیل بھی ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت

زکوٰۃ کے لغوی معنی پاکیزگی کے ہیں، اور اصطلاح شریعت میں صاحب نصاب مال دار مومن کا اللہ کے حکم کے مطابق اپنے مال میں سے ایک مخصوص حصہ لوجہ اللہ ضرورتمندوں کو دینا اور چونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے قلب ونفس کی تطہیر و تزکیہ مقصود ہے، اسلئے اس پر زکوٰۃ کا اطلاق ہوتا ہے۔

درّ مختار باب الزکوٰۃ میں اسکی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

''عربی زبان میں زکوٰۃ کے معنی پاک ہونے اور بڑھنے کے ہیں اور شریعت میں خالص خدا کی خوشنودی کیلئے شارع کے حکم کے مطابق ایک مقررہ اور متعین مال کسی مستحق مسلمان کو مالک بنا کر دینے کا نام زکوٰۃ ہے۔''

قرآن میں اسکے لئے لفظ ''صدقہ'' بھی آیا ہے جیسا کہ سورۂ توبہ کی اس آیت سے لفظ اور مفہوم کی پوری وضاحت ہوئی:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُھُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِھَا (سورۂ توبہ)

ترجمہ: اے نبی! آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک وصاف کردیں گے۔

اور زکوٰۃ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دولت کا ارتکاز نہ ہونے پائے بلکہ وہ زیادہ سے زیادہ گردش میں رہے اور اسکے ذریعہ نادار، ضرورتمند اور غریب و محتاج مسلمانوں کی امداد ہوجائے۔

زکوٰۃ کی فرضیت کب ہوئی؟

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی کچھ بنیادی عبادتیں وہی ہیں جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی انبیاء کی امتوں پر فرض رہی ہیں، نماز جو اسلام کا بنیادی رکن ہے وہ بھی سابقہ امتوں میں موجود رہی ہے، روزہ کیلئے تو قرآن میں واضح طور پر کہا گیا کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو! تمھارے اوپر روزہ اسی طرح فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے گذری امتوں پر فرض تھا۔“

اسی طرح زکوٰۃ بھی صرف امت محمدیہ پر فرض نہیں ہے بلکہ سابقہ شریعتوں میں بھی اسی طرح فرض تھی، اور جس طرح نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم قرآن میں ہے اسی طرح ان دونوں کی فرضیت اگلے پیغمبروں کی شریعت میں رہی ہے، چنانچہ سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیم اور ان کے صاحبزادے حضرت اسحاق اور پھر ان کے صاحبزادے حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان کو حکم دیا اچھے کام کرنے کا اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا، اور وہ ہمارے عبادت گذار بندے تھے۔

اسی طرح سورۂ مریم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا:

وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ

ترجمہ: اور وہ (حضرت اسماعیلؑ) اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔

اسی طرح سورۂ بقرہ میں جہاں بنی اسرائیل کے ایمانی میثاق وعہد اور ان بنیادی احکام کا ذکر کیا گیا ہے جن کی ادائیگی کا ان سے عہد لیا گیا تھا ان میں ایک حکم یہ بھی بیان کیا گیا ہے:

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ

ترجمہ: یعنی نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔

اس آیت میں تو بالکل اسی انداز میں اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا حکم مذکور ہے جس طرح قرآن میں مسلمانوں کو نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے۔

اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے متعلق ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا:

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۙ﴿۳۰﴾ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۪ۖ﴿۳۱﴾

ترجمہ: میں اللہ کا ایک بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے اور جہاں کہیں بھی ہوں مجھے اس نے بابرکت بنایا ہے اور جب تک میں زندہ رہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہے۔

ان مذکورہ آیاتِ قرآنی سے ظاہر ہے کہ نماز اور زکوٰۃ ہمیشہ سے سابقہ شریعتوں میں خاص ارکان رہے ہیں، البتہ نماز کی ادائیگی یا زکوٰۃ کے طریقے مختلف رہے ہیں، احکام کی تفصیل میں فرق ہوسکتا ہے مگر نماز ہی کی طرح زکوٰۃ بھی گذشتہ انبیاء کے یہاں موجود ہے۔

پھر دین اسلام میں زکوٰۃ کی فرضیت کب ہوئی تو اس کے بارے میں خود قرآنی ارشادات، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور تاریخی شہادتوں سے

معلوم ہوتا ہے کہ اسکی فرضیت ہجرت سے قبل ہو چکی تھی، البتہ اسکے تفصیلی احکام، مسائل اور حدود و تعینات ہجرت کے بعد آئے ہیں، اور باضابطہ طور پر زکوٰۃ کی وصولی کا حکم ۸ ھ میں آیا۔

قرآن کی بعض سورتوں میں اہل ایمان کی لازمی صفات کے طور پر اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے جو سورتیں مکی ہیں جیسے سورۂ مومنون، سورۂ نمل اور سورۂ لقمان، مگر اس وقت زکوٰۃ کا مطلب تھا کہ ضرورتمندوں پر اور خیر کے دوسرے کاموں پر اپنی کمائی میں سے صرف کیا جائے، نظام زکوٰۃ کی تفصیل اور اسکے بنیادی احکام ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں آئے ہیں۔

صحیح بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق شاہ روم کے سوال کے جواب میں ابوسفیان نے جو بیان دیا تھا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی کوئی نہ کوئی صورت موجود تھی، واضح رہے کہ ابوسفیان اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف تھے، ان کا بیان تھا:

"یأمرنا بالصلوٰۃ والزکوٰۃ والصلۃ والعفاف..."

ترجمہ: یعنی وہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں اور صلہ رحمی و پاکدامنی کی ہدایت کرتے ہیں۔

اور جب مدینہ طیبہ میں زکوٰۃ کی وصولی کا حکم نازل ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تفصیلات بیان فرمائیں تب یہ اسلام کا ایک ایسا بنیادی رکن قرار پایا جس سے انکار کی قطعی گنجائش نہیں تھی، چنانچہ جب بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو بعض ایسے مسلمانوں نے جنھیں دین کے احکام کا صحیح علم نہیں تھا یا جنھوں نے یہ سمجھا تھا کہ مسلمانوں کی مالی دشواری کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک کیلئے زکوٰۃ کا حکم تھا، انھوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا،

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اَب آنحضور کے خلیفہ اور مسلمانوں کے امیر المومنین تھے اس منع زکوٰۃ کا سخت نوٹس لیا اور فرمایا کہ مانعین زکوٰۃ سے میں جہاد تک کروں گا، چنانچہ انھوں نے ان افراد اور قبائل کے خلاف اعلانِ جنگ فرمادیا، خود ان کے قول سے ہی زکوٰۃ کی فرضیت اور اہمیت کا اندازہ ہوجاتا ہے جو انہوں نے فرمایا تھا کہ ''اللہ کی قسم! اگر کوئی شخص ایک رسّی بھی روکے گا جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتا رہا تھا تو میں اس پر بھی اس سے جنگ کروں گا'' اور انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات پر کہ وہ مسلمان لوگ ہیں توحید و رسالت پر ایمان رکھتے ہیں (اور زکوٰۃ دینے سے انکار کرتے ہیں) تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

واللہ لاقاتلنّ من فرّق بین الصلاۃ والزکاۃ۔ (بخاری)

ترجمہ: کہ جس کسی نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرنے کی کوشش کی میں ان سے جنگ کروں گا۔

مطلب یہ ہے کہ جو یہ سمجھتے ہیں کہ نماز تو اسی طرح فرض ہے مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد زکوٰۃ کی وہ اہمیت نہیں رہی ان کے خلاف ہر حال میں جہاد کروں گا۔

زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

اوراس کے چند احکام

دین اسلام میں انسان کی فطرت اوراس کی ضروریات کا لحاظ تمام تر عبادات میں رکھا گیا ہے، احکام شریعت اللہ کی بندگی کے ساتھ انسانی مزاج اور عقلی مصالح کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں، چنانچہ اس دین میں بندوں کو دین اور دنیا دونوں میں کامیابی حاصل کرنے کا حکم ملا ہے، جہاں ایک طرف دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کیا گیا ہے وہیں رہبانیت (دنیوی معاملات سے بیزاری) کا انکار کیا گیا، قرآن میں بتلایا گیا کہ تم دنیا میں اس طرح رہو جیسے مسافر ہو کہ اسے یہاں سے گذرنا ہے، دنیا کو لہو ولعب بھی کہا گیا مگر حکم ہوا کہ ''وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ'' اللہ کی جانب سے عطا کردہ روزی کی تلاش بھی کرو، اور حاصل کلام کے طور پر ارشاد ربانی ہوا:

وَ ابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جو نعمت و دولت عطا فرمائی ہے اس میں پیش نظر آخرت رہے، مگر اپنا حصہ دنیا سے مت بھولنا۔

ایک طرف قرآن میں حکم دیا گیا کہ اللہ کی نعمت میں سے رزق حلال کی تلاش کرو اوراس کے لئے جدو جہد، ساتھ ہی مال وزر کو ''الخیر'' سے بھی تعبیر کیا گیا، گویا اسباب معیشت اختیار کرنا بھی ضروری ہے، جو باعث خیر و برکت ہے تو دوسری طرف یہ ہدایت دی گئی کہ اصل مقصود اللہ کی رضامندی اور اخروی سعادت کا

حصول ہے، مال و زر مقصود اصلی نہیں، صرف ذرائع ہیں، زندگی گذارنے کے لوازمات ہیں اور یہ سب اللہ کا عطا کردہ ہے ''فِيمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ'' کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں جو اللہ نے تم کو دیا ہے، اس لیے کسب معاش اور صرفِ مال میں اللہ اور اس کے رسول کا فرمان ہمیشہ پیش نظر رہے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مال دار اور صاحب ثروت لوگوں کو حکم دیا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور یہ بھی فرمایا گیا کہ ''لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ'' کمال نیکی جب حاصل ہوگی کہ اپنی محبوب اور اچھی چیزوں میں سے خرچ کروگے۔

گویا زکوٰۃ اللہ کی طرف سے واجب کردہ ایک عبادت ہے، اسی طرح جس طرح نماز کا حکم دیا گیا بلکہ بیشتر آیتوں میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی کا ذکر اور تاکید ہے، اس لحاظ سے یہ اللہ کا حق ہے، مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس انفاق (زکوٰۃ) پر بندوں کے حقوق بھی متعلق کردیئے کہ ایک جانب سے اللہ کا حق ہے اور دوسری جانب ضرورتمندوں کا حق ہے، اور یہ حق ادا کردینا عبادت ہے اور باعث سعادت۔ اگر زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور مستحقین کو دیتے ہیں تو یہ فریضے سے سبکدوشی ہے، بندوں پر کوئی احسان نہیں۔ اس لئے اس کی ادائیگی میں یہ نکتہ نہ صرف ملحوظ رہے، بلکہ اس پر پابندی ہو، اگر زکوٰۃ ادا کی، صدقہ دیا اور پھر احسان جتا دیا تو عبادت ختم اور یہ نیکی وبال کا ذریعہ بن جائیگی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِكُمۡ بِالۡمَنِّ وَ الۡاَذٰى ۙ كَالَّذِىۡ يُنۡفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفۡوَانٍ عَلَيۡهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلۡدًا ‌ؕ

ترجمہ: اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف دے کر اس شخص کی طرح

برباد نہ کرو جو محض لوگوں کو دکھانے کیلئے مال خرچ کرتا ہے، اس کا یقین نہ خدا پر ہوتا ہے اور نہ آخرت پر، ایسے شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کسی پتھر کی چٹان پر مٹی جم جائے اور جب بارش ہوئی تو وہ مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان باقی رہ گئی۔

دراصل مٹی سے پودے اگتے ہیں جب اس پر بارش کا پانی پڑے، مگر جب پتھر پر مٹی ہو اور اس پر بارش ہو جائے تو وہ مٹی بہہ جاتی ہے اور پتھر خالی رہ جاتا ہے، اس مٹی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا، اسی طرح اگر زکوٰۃ وصدقات عبادت اور رضائے الٰہی کا ذریعہ نہ ہو کر دکھاوے کی چیز ہو جائے وہ بیکار ہو جاتی ہے اور اسکا فائدہ ختم ہو جاتا ہے۔

یعنی زکوٰۃ وصدقات مستحقین کو دیئے جائیں مگر احسان جتا کر یا پریشان کر کے نہیں، بلکہ صرف عبادت سمجھ کر اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں، اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ اس نیک کام کے ذریعہ ایک فریضہ ادا ہو رہا ہے، جسے اللہ قبول کر لے اور بندوں کو اس سے نفع پہنچا دے۔

اسی طرح ایک دوسری آیت بھی ہے:

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

ترجمہ: ایک بھلی بات اور کسی غلطی کو معاف کر دینا اس صدقے سے کہیں بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ اور تکلیف ہو، اللہ بے نیاز اور حلیم ہے۔

صدقہ بہت اچھی چیز ہے جس کا اجر بھی اللہ دیگا، مگر اگر صدقہ و زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے مستحقین کو دکھ اور تکلیف ہو تو یہ بے معنی ہے، اس صدقے سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ آدمی دو میٹھے بول بولدے۔

زکوٰۃ کب ادا کرے؟

زکوٰۃ کا وجوب سال گذرنے کے بعد ہوتا ہے، یعنی جب مقدارِ نصاب مال

کی ملکیت سونا چاندی، روپے یا مالِ تجارت کو ایک سال پورا ہو جائے تب زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، بہتر یہ ہے کہ آدمی اسی وقت زکوٰۃ ادا کر دے، اگر وہ تھوڑی تھوڑی زکوٰۃ دیتا رہے تو بھی درست ہے اور اگر ایک ہی وقت ادا کر دے تو بھی جائز ہے اور جیسا کہ مسائل زکوٰۃ میں مذکور ہے کہ وہ ایک ہی مصرف میں ادا کرے تو بھی جائز ہے اور غریب، محتاج، مسافر یا مدارس سب کو دے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

عام طور پر برصغیر ہندو پاک کے مالدار مسلمان زکوٰۃ کیلئے ماہِ رمضان کا انتخاب کرتے ہیں اور مستحقین کو رمضان المبارک ہی میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، بلاشبہ رمضان کی عبادتوں کا جر بہت زیادہ ہے، روزہ، نماز، تلاوت، صدقات وخیرات بلکہ ہر نیک عمل کا اجر ستّر گنا سے زیادہ ملتا ہے اور غالباً اسی تصور سے لوگ زکوٰۃ بھی اسی مہینے ادا کرنا اچھا سمجھتے ہیں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ زکوٰۃ ضرورت مند مستحقین کا حق ہے جس سے ان کی ضرورتوں کی تکمیل ہوتی ہے اور ضروری نہیں کہ وہ ماہ رمضان ہی میں زکوٰۃ وصدقات کی ضرورت زیادہ محسوس کریں، سال بھر میں ان کی ضرورتیں باقی رہتی ہیں، اسلئے زکوٰۃ جب بھی واجب ہو جائے اسے ادا کر دینا زیادہ مفید ہے، یا تھوڑا حصہ عام دنوں میں ادا کر دے اور باقی رمضان میں، ویسے بھی رمضان کے مہینے میں دیگر صدقات وخیرات دینے پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے خواہ وہ صدقۃ الفطر ہو یا غیر واجب صدقہ وخیرات۔

اسی طرح اگر کوئی وقت سے پہلے (سال پورا ہونے سے قبل) بھی زکوٰۃ ادا کرنا چاہے تو کوئی مضائقہ نہیں، اگر مستحقین کو پہلے ضرورت پڑ جائے تو ان کو پہلے بھی دے دینا درست ہے، ایک روایت ہے:

عن علي أن العباس سأل النبي صلى الله عليه وسلم في تعجيل

صدقته قبل أن تحِلّ فرخّص له في ذلک۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے پیشگی اپنی زکوٰۃ ادا کرنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے ان کو اس کی اجازت دیدی۔(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

معلوم ہوا کہ زکوٰۃ پیشگی بھی ادا کی جاسکتی ہے۔

زکوٰۃ کے کچھ متفرق احکام

زکوٰۃ واجب ہونے کیلئے قمری سال کالحاظ ہوگا۔(چاند کے حساب سے جب سال پورا ہوجائے)

زکوٰۃ کی ادائیگی بھی چاند کے مہینے سے کرنی چاہیے۔

زکوٰۃ یاعشر نکالتے وقت یا مستحقین کو دیتے وقت زکوٰۃ یاعشر کی نیت ضروری ہے،سال بھر کی مالیت پر جومجموعی زکوٰۃ بنتی ہواس کو زکوٰۃ کی نیت سے الگ کرلیں توبھی کافی ہوگا،اب ادائیگی کے وقت دوبارہ نیت ضروری نہیں۔

زکوٰۃ دینے والوں کوحتی الامکان زکوٰۃ ادا کرنے میں جلدی کرنی چاہیئے،وہ اس انتظار میں نہ رہیں کہ زکوٰۃ لینے والے آئیں تب دینگے،بلکہ انھیں مستحقین تک خود پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

زکوٰۃ وصدقات میں اخفاء مطلوب ہے اس کی تشہیر کی ضرورت نہیں۔

زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے مستحق کو بتانا ضروری نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ ہے۔

اپنے عزیز واقارب (مستحقین زکوٰۃ) کو زکوٰۃ دیتے وقت ظاہر نہ کرنا ہی مناسب ہے۔

زکوٰۃ میں نقد رقم بھی دی جاسکتی ہے اور مستحقین کی ضرورت کے سامان بھی دیئے جاسکتے ہیں۔

زکوٰۃ اورعشر اگر خود ادا کرنے کی بجائے کسی اور کے ذریعہ ادا کرے تو بھی جائز ہے۔

زکوۃ ایک ہی مستحق کو اتنی نہ دی جائے کہ وہ صاحب نصاب بن جائے۔

اگر کسی مقروض ضرورتمند کو زکوٰۃ دیجائے تو قرض اتارنے کے بعد زکوٰۃ دینی درست ہے، خواہ وہ نصاب سے زائد ہی کیوں نہ ہو۔

زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے زکوٰۃ لینے والے پر احسان جتایا جائے نہ پریشان کیا جائے۔

اپنے قریبی عزیز یا کسی مستحق کو ہدیہ کے نام پر رقم دی جائے اور زکوٰۃ کی نیت ہو تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

زکوٰۃ کن لوگوں کو نہیں دی جاسکتی

زکوٰۃ غیر مسلم کو ادا نہیں کی جاسکتی۔

زکوٰۃ صاحب نصاب مالدار کو دینا جائز نہیں۔

زکوٰۃ بنو ہاشم (سید) یا ان کے غلاموں کو دینا جائز نہیں۔

زکوٰۃ اپنے ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی کو نہیں دی جاسکتی، اسی طرح اپنے بیٹوں، بیٹیوں، پوتے، پوتی، نواسے، نواسی کو دینا جائز نہیں۔

شوہر اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔

زکوٰۃ مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں بھی صرف نہیں کی جاسکتی، پل یا سڑک وغیرہ کی تعمیر پر بھی لگانا ناجائز ہے۔

مردے کی تجہیز و تکفین، یا میّت کے قرض کی ادائیگی میں بھی دینا جائز نہیں۔

مسجد کے امام یا مدرسہ کے مدرّس کو بطور اجرت یا تنخواہ دینا درست نہیں۔

زکوٰۃ کے زیادہ مستحق کون؟

زکوٰۃ جس ملک، شہر یا علاقے میں نکالی جارہی ہے وہیں کے مستحقین زیادہ حقدار ہیں۔

زکوٰۃ کے سب سے زیادہ مستحق اپنے قریبی اعزہ ہیں، جیسے بھائی، بہن، چچا،

چچی، خالہ، خالو، پھوپھا، پھوپھی، ماموں، بھانجے، بھانجیاں، ساس، سسر، داماد وغیرہ یا ان کے علاوہ قریبی عزیز اور ہوں تو ان کو دینا زیادہ مناسب ہے، کیوں کہ اس میں دوگنا اجر ہے، ایک زکوٰۃ دینے اور دوسرے صلۂ رحمی کا، ان اعزاء کے بعد دوستوں اور پڑوسیوں کا زیادہ حق ہے۔

ان لوگوں کو بھی ترجیح دینی چاہئے جو دینی علوم میں مشغول ہوں، جیسے دینی مدارس کے طلبہ، یا ضرورت مند دینی امور میں مشغول رہنے والے، دیگر ضرورتمند افراد جیسے مدرّسین، مبلّغین وغیرہ۔

اگر اپنے اعزاء اور علاقے سے زیادہ ضرورتمند دوسرے افراد یا دوسرے علاقے کے لوگ ہوں تو وہاں زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

زکوٰۃ کن لوگوں پر اور کن چیزوں پر فرض ہے؟

زکوٰۃ ہر سال اس عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے جو صاحب نصاب ہو اور اس پر پورا سال گذر گیا ہو، اور چونکہ زکوٰۃ اسلام کا بنیادی رکن ہے، اسلئے اسکی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہوگا، زکوٰۃ فرض ہونے کیلئے مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱-مسلمان ہونا (کافر یا مرتد پر فرض نہیں ہے)

۲-آزاد ہونا (غلام پر فرض نہیں ہے)

۳-بالغ ہونا (بچے پر فرض نہیں ہے)

۴-عاقل ہونا (مجنون یعنی پاگل پر فرض نہیں ہے)

۵-مال پر مکمل ملکیت ہونا، یعنی قبضے میں ہونا، اگر کسی کی ملکیت تو ہے مگر اس پر قبضہ نہیں ہے تو زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی، مثلاً عورت کے مہر کی ملکیت تو اسی کی ہے مگر زکوٰۃ اس وقت فرض ہوگی جب اسکے قبضے میں آجائے، یا کسی کا مال دوسروں کے پاس قرض کی صورت میں ہو، جب اسکے تصرف میں آجائے تب زکوٰۃ فرض ہوگی۔

۶-مال نصاب کی مقدار میں ہو۔

۷-بنیادی ضرورتوں سے زائد مال نصاب کی حد تک پہنچ جائے، جو انسانی

ضرورت کی چیزیں ہیں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے اور وہ نصاب کے ضمن میں نہیں آئیں گی، جیسے رہنے کا مکان اور اس میں تمام ضروری سامان، سواری، ہتھیار، فرنیچر وغیرہ۔اسی طرح ان مشینوں پر بھی زکوٰۃ نہیں جو سامان تیار کرنے کیلئے لگائی گئی ہوں۔

۸- جو مال ہے وہ مقروض نہ ہو، یعنی اگر کسی کے پاس مال نصاب کی حد تک تو ہے مگر وہ مکمل قرض کا ہو یا جزوی طور پر اس پر اتنا قرض ہو کہ قرض ادا کرنے کے بعد نصاب سے کم ہو جائے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

ان شرائط کا حاصل یہ ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت پر زکوٰۃ فرض ہے جو صاحب نصاب ہو، عاقل و بالغ ہو، مقروض نہ ہو، جو مال ہے وہ انسانی ضرورتوں سے زائد ہو۔

نصابِ زکوٰۃ

دین اسلام میں جن اموال پر زکوٰۃ فرض ہے ان کی تفصیل:

۱-سونا چاندی یا اسکی مالیت کے کرنسی نوٹ اور سکے

۲-کھیتی کی پیداوار اور درختوں کے پھل

۳-ہر طرح کے تجارتی مال و سامان

۴- وہ جانور جو افزائش نسل یا دودھ دینے کیلئے ہوں اور وہ سال کا بیشتر حصہ عام زمینوں پر چرتے ہوں۔

۵-رکاز اور معادن

ان تمام چیزوں میں زکوٰۃ ادا کرنے کی مقدار مختلف ہے، مگر نصاب زکوٰۃ کیا ہے اسکی وضاحت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم کھجوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ عدد سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم)

چونکہ عہد نبوی میں مدینہ اور اطراف میں یہ تین جنس وہ تھے کہ ان کے مالک دولت مند کہے جاتے تھے، یعنی مالدار لوگوں کے پاس عام طور پر یہی تینوں چیزیں پائی جاتی تھیں، اسکے علاوہ مختلف موقعوں پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اِرشاد فرمائے ہیں ان کی روشنی میں علمائے امت نے نصاب اور صاحب نصاب کی جو تفصیل متعین فرمائی ہے وہ اس طرح ہے کہ جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اسکو مال کا چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی فیصد نکالنا ہوگا، چاندی اور سونے کی اس مقدار کو نصاب کہیں گے اور جو اِن کا مالک ہو وہ صاحب نصاب ہوگا، یہاں یہ واضح رہے کہ اب سونے اور چاندی کا متبادل کاغذی نوٹ ہے جسکو کرنسی سے تعبیر کرتے ہیں، گویا جن کے پاس اتنی چاندی یا سونے کی قیمت کے بقدر کرنسی نوٹ ہوں وہ بھی صاحب نصاب ہوں گے۔

سونا، چاندی، کرنسی، نوٹ (روپے، پیسے وغیرہ) نصاب کو پہنچے تو ان پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ فرض ہے۔

اموال تجارت پر بھی چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض ہے، مگر ان سب میں شرط یہ ہے کہ سال گذر جائے، ''حولانِ حول'' کی فقہی اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے پاس اتنی مالیت ابتدائے سال اور سال کے اخیر میں ضرور ہو، یعنی مثال کے طور پر اگر کسی کے پاس دس تولے چاندی یا اسکے برابر روپے ہوں اور کم زیادہ ہوتا بھی رہے، اور ایک سال پورا ہونے تک اتنی مالیت موجود رہے تو اب اس پر زکوٰۃ

واجب ہوجائیگی یہی صورت تجارت کی اشیاء میں رہے گی۔

نصاب میں سونا ملحوظ رہے یا چاندی؟

دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت نصاب متعین فرمایا تھا اس وقت بیس مثقال سونا (ساڑھے سات تولہ) اور دوسو درہم (ساڑھے باون تولہ) دونوں کی مالیت برابر ہوتی تھی، زمانہ گذرتا گیا اور سونے، چاندی کی قیمتوں میں نمایاں فرق ہوتا گیا، موجودہ زمانے میں سونے کی عرفی قیمت بہت بڑھ گئی اور چاندی کے ریٹ کم ہوگئے، اسلئے دونوں کے نصابی وزن کی قیمت میں بہت فرق پڑگیا، آج مؤرخہ ۱۹/ مارچ ۲۰۲۱ء سونے کی قیمت دس گرام ۴۴/ ہزار روپے کی بنتی ہے اور چاندی دس گرام ۶۷۰/ روپے کے قریب ہے، اس لحاظ سے اگر سونے کو نصاب مان لیا جائے تو ایک بڑی رقم اسکی قیمت بنتی ہے، اور اگر چاندی کو نصاب تسلیم کریں تو اس کی قیمت سونے کے مقابلے چھ یا سات گنی رقم کم بنتی ہے۔

تفصیل کیلئے ذیل کے سطور ملاحظہ ہوں:

سونا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ۲۰/ مثقال ہوتو نصاب پورا ہے، ۲۰/ مثقال کا وزن موجودہ دور کے علمائے دین اور ماہرین نے 87.479 متعین کیا ہے، اسی کو ساڑھے سات تولہ سے تعبیر کیا جاتا رہا ہے اور یہ تولہ بھی بارہ ماشے کا ہے، نہ کہ دس گرام کا، اس طرح موجودہ وقت میں جب دس گرام سونا 44000 ہے، یعنی ایک گرام 4400 روپے کا، تو ستاسی گرام اعشاریہ چارسواسّی (87.480) کی قیمت بنتی ہے ہے 384912 روپے، (تین لاکھ چوراسی ہزار نوسو بارہ)

چاندی: چاندی میں نصاب کی مقدار فرمانِ نبوی کے مطابق دوسو درہم ہے، جو موجودہ وزن میں چھ سو بارہ گرام اعشاریہ 35 بنتا ہے (612.35) یہی

وزن ساڑھے باون تولہ بنتا ہے۔

موجودہ قیمت (67000) کے حساب سے ایک گرام 67 روپے کا اور نصاب یعنی 612.35 کی قیمت اس لحاظ سے بنتی ہے برابر اکتالیس ہزار ستائیس روپے (-/41027)

روپے، پیسے، مال تجارت

جب اسکی مالیت چاندی کے نصاب کے برابر ہوجائے

اب اگر سونے کو معیار بنایا جائے تو آدمی اس وقت صاحب نصاب ہوگا جب اسکے پاس اتنا سونا یا اسکی مالیت کے برابر رقم یا مال تجارت ہو جسکی قیمت دو لاکھ ستائیس ہزار روپیہ ہوں اور اگر چاندی معیار نصاب ہو تو صرف چونتیس ہزار کے برابر کی رقم یا مالیت میں زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے۔

فقہائے کرام اور علمائے امت نے واضح کیا ہے کہ نصاب کا معیار (سونا یا چاندی) وہی بنے گا جس میں ضرورتمندوں اور مصارف زکوٰۃ کے افراد کو زیادہ فائدہ پہنچے، اس لحاظ سے متأخرین علماء نے چاندی کو ہی معیار نصاب بہتر سمجھا ہے، گویا جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اسکے برابر کی رقم یا اتنی ہی مالیت کا مال تجارت ہو وہ صاحب نصاب ہوگا، اور اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

یہاں یہ مسئلہ بھی پیش نظر ہے کہ اگر کسی کے پاس تھوڑا سونا، تھوڑی چاندی اور کچھ رقم یا سامانِ تجارت ہے اور ان کی مجموعی مالیت چاندی کے نصاب کے برابر ہوجاتی ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی اور کل مالیت کا چالیسواں حصہ (ڈھائی فیصد) ادا کرنا ہوگا۔

اموالِ تجارت

مال تجارت پر جب سال گذر جائے تو اصل سرمایہ اور منافع (نصاب

چاندی کے معیار پر پورا ہو جانے کی صورت میں) پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، صرف سرمایہ یا صرف منافع نہیں بلکہ دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

سامان تجارت کا نصاب بھی وہی ہے جو سونے اور چاندی کا ہے، اگر تجارتی مال کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر پہنچے تو زکوٰۃ واجب ہو جائیگی اور کل قیمت کا چالیسواں حصہ ادا کرنا ہوگا۔

زمینی پیداوار کی زکوٰۃ (عُشر)

زمینی پیداوار پر جو زکوٰۃ واجب ہے اسے عُشر کہتے ہیں، اسکے احکام سونا، چاندی، روپے یا اموالِ تجارت سے جدا ہیں۔

عشر کیلئے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، بلکہ جو کچھ پیداوار ہو اور جتنا ہو ان سب میں عشر واجب ہے، یہی امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کا مسلک ہے، اور زمینی پیداوار میں سال گذرنا بھی شرط نہیں ہے، جب بھی پیداوار ہو تو اس پر عشر نکالنا ہوگا، اسلئے اگر ایک کھیت سے ایک سال میں دو مرتبہ پیداوار ہو تو دو مرتبہ عشر دینا ہوگا اور اگر کسی باغ یا درخت سے سال میں دو بار پھل آئے تو دو ہی دفعہ عشر دینا ہوگا۔

عُشر کیا ہے؟

کسی بھی کھیت یا باغ سے جو پیداوار ہوئی اسکا دسواں حصہ عُشر کہلاتا ہے، جب کسی زمین یا باغ میں بارش کے پانی سے ہی پیداوار ہوئی ہو اور اسمیں پانی کی سینچائی کیلئے الگ سے کوئی انتظام نہ کرنا پڑا ہو ایسی صورت میں دسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔

اور اگر زمینی پیداوار میں پانی کا انتظام الگ سے کرنا پڑے، کنویں سے، تالاب سے، ندی سے، یا نہر وغیرہ سے اجرت دیکر سینچائی کی گئی ہو تو اس پر نصف

عشر واجب ہوتا ہے، یعنی بیسواں حصہ، مثال کے طور پر کسی کھیت سے پیداوار بیس کوئنٹل ہوئی تو اسکا عشر دو کوئنٹل بنا اور نصف عشر ایک کوئنٹل، اسی طرح پھلوں وغیرہ میں بھی حکم ہوگا۔

اسطرح زمینی پیداوار میں عُشر (دسواں حصہ) اور نصف عشر (بیسواں حصہ) بطور زکوٰۃ واجب ہوگا۔

زمین کی پیداوار

زمین کی پیداوار جن میں عشر واجب ہے ہر وہ چیز شامل ہوگی جو زمین سے اگتی ہے، ہر قسم کا غلہ، جیسے گیہوں، دھان، مکئی، جو، چنا، باجرہ، دالیں وغیرہ۔ اور ہر قسم کے پھل جیسے آم، امرود، سنترے، کیلے، بیر، کٹہل، سیب، انار، شریفہ، انگور وغیرہ اور ہر قسم کے میوہ جات جیسے بادام، چھوہارا، کشمش، اخروٹ وغیرہ اور ہر قسم کی ترکاریاں۔ جیسے ککڑی، خربوزہ، تربوز، آلو، بینگن، لوکی وغیرہ، اسی طرح گنا بھی ہے ان میں عشر واجب ہے۔

سبزی اور ترکاری وغیرہ کی پیداوار پر عشر امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، اور صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ترکاریوں پر عشر واجب نہیں ہے۔

ایک ضروری وضاحت

آج کل زمین کی کاشت میں تبدیلیاں آچکی ہیں، بیشتر جگھوں پر ٹریکٹر سے کھیتی ہوتی ہے، اور پھر ان کھیتوں میں مختلف اوقات میں مختلف قسم کے کھاد دینے پڑتے ہیں، ایسی صورت میں ان زمینوں کی پیداوار پر عُشر واجب ہوگا یا نصف عُشر؟

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ایسی زمین کی پیداوار میں نصف عشر یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہے،

اخراجات کو وضع نہیں کیا جائیگا بلکہ پوری پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا ہوگا۔‘‘
(آپ کے مسائل اوران کا حل، جلد ۳، ص ۳۱۷)

مزارعت (بٹائی) کا حکم

اگر کھیت یا باغ کو مالک نے کسی دوسرے کو بٹائی پر دیا، دوسرا شخص اس میں کھیتی کرتا ہے یا باغ کی دیکھ بھال کرتا ہے ایسی صورت میں دونوں فریق پر اپنے حصے کے بقدر عشر واجب ہوگا، یعنی اگر آدھے آدھے پیداوار پر معاہدہ ہوا ہو تو دونوں کو اپنے حصے (آدھے، آدھے) پر عُشر ادا کرنا ہوگا، اور اگر پیداوار پر تقسیم سے پہلے ہی عُشر ادا کرنا چاہیں تو مجموعی پیداوار پر عشر ادا کر دیا جائے، دونوں فریق کی جانب سے ادائیگی درست ہوگی۔

زمینی پیداوار یعنی غلہ اور پھل وغیرہ میں عشر اسی غلے یا پھل سے ادا کرے یا اسکی قیمت ادا کرے دونوں صورتیں جائز ہیں۔

اگر کسی نے اپنے گھر کے اندر صحن کے حصے میں درخت لگایا، یا ترکاری بوئی تو اس میں عشر نہیں ہے۔

جانوروں کی زکوٰۃ

جانوروں پر بھی زکوٰۃ فرض ہے، مگر وہ جانور جو سال بھر باہر کھیتوں یا جنگلوں میں چرتے ہوں یا جو افزائش نسل اور دودھ وغیرہ کے مقصد سے پالے جائیں۔

ایک جانور کی وہ صورت ہے جو عام طور پر گاؤں دیہات میں لوگ اپنی ضرورت کیلئے رکھتے ہیں، جیسے کھیتی کیلئے بیل وغیرہ، یا گائے اور بکری یا بھینس جسکا دودھ استعمال کرتے ہیں، اور گھی بناتے ہیں اور ان کی کھاد کھیتوں میں ڈالتے ہیں، ایسے جانوروں پر کوئی زکوٰۃ واجب نہیں۔

جو جانور تجارت یا افزائش نسل کیلئے پالے جاتے ہیں، وہ سب اموالِ تجارت

کے زمرے میں آتے ہیں، اسلئے ان کا حکم مالِ تجارت کا ہوگا، یعنی انکی قیمت کا اندازہ کرکے اس کا چالیسواں حصہ (ڈھائی فیصد) زکوٰۃ کی صورت میں ادا کیا جائے گا۔

اور اگر جانور تجارت کیلئے نہ ہوں بلکہ نسل بڑھانے کیلئے اور ذاتی فائدے کیلئے ہوتو اگر وہ ''سائمہ'' ہوں یعنی سال کا بیشتر حصہ میدان یا جنگل میں گھاس وغیرہ چر کر جیتے ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور ان کی زکوٰۃ کی مقدار اموالِ تجارت سے قطعی الگ ہیں۔

اسطرح اگر آدمی اپنی ضرورت کیلئے جانور پالے جیسے کھیتی، سواری، یا گاڑی اور بوجھ کھینچنے کیلئے، ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

بہر حال جن جانوروں پر زکوٰۃ فرض ہے ان میں

۱- بکری، بھیڑ، دنبہ نر اور مادہ دونوں پر زکوٰۃ فرض ہے، اسی طرح

۲- گائے، بھینس نر اور مادہ اور

۳- اونٹ پر نر ہو یا مادہ، اسکے علاوہ جو جانور بھی سواری یا بوجھ لادنے کیلئے ہوں ان پر زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ اگر وہ جانور یا دوسرے جانور تجارت کیلئے ہوں تو ان کی قیمت کا اندازہ کرکے چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا ہوگا۔

اب ہم یہاں ان جانوروں کا الگ الگ نصاب لکھتے ہیں جن پر زکوٰۃ واجب ہے:

بکری کا نصاب

اگر کسی کے پاس ایک سے ۳۹ تک بکریاں ہوں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اگر ۴۰ پوری ہوگئیں تو اسکا نصاب پورا ہوگیا اور اسکو زکوٰۃ دینی ہوگی، اس کی تفصیل یہ ہے:

تعداد جس پر زکوٰۃ واجب ہے	شرحِ زکوٰۃ
۱ سے ۳۹ تک	کچھ نہیں
۴۰ سے ۱۲۰ تک	ایک بکری
۱۲۱ سے ۲۰۰ تک	دو بکریاں
۲۰۱ سے ۳۹۹ تک	تین بکریاں
۴۰۰ پورے ہونے پر	چار بکریاں
۴۰۰ سے زیادہ ہوں تو	ہر سو پر ایک بکری

دنبوں اور بھیڑوں کا حکم

۱- دُنبوں اور بھیڑوں کی زکوٰۃ کا حکم بھی وہی ہے جو بکری کا ہے، اگر کسی کے پاس چالیس بکریاں اور چالیس بھیڑیں ہوں تو دونوں کی زکوٰۃ الگ الگ دینی پڑے گی، لیکن اگر ۲۵ بکریاں ہوں اور ۲۵ بھیڑیں تو دونوں ملا کر ۵۰ بکریوں کی جو زکوٰۃ ہوتی ہے دینی چاہیئے، یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ دونوں کا نصاب پورا نہیں ہوا۔

۲- بھیڑ بکری کی زکوٰۃ میں نر مادہ کی کوئی قید نہیں ہے، دونوں پر زکوٰۃ ہے، البتہ ایک سال سے کم کا بچہ ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، البتہ اگر دونوں ملے جلے ہوں تو دونوں کے مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (درمختار، باب زکوٰۃ الغنم)

گائے بھینس کا نصاب

تعداد جس پر زکوٰۃ واجب ہے	شرحِ زکوٰۃ
۱ سے ۲۹ تک	کچھ نہیں
۳۰ ہوں تو	ایک سال کا بچہ یا اسکی قیمت
۴۰ ہوں تو	پورے دو سال کا بچہ یا اسکی قیمت

۶۰ ہوں تو	ایک ایک سال کے دو بچھڑے یا اسکی قیمت
۷۰ ہوں تو	ایک ایک سال کا بچہ اور
	ایک دو سال کا بچہ یا اسکی قیمت
۸۰ ہوں تو	دو سال کے دو بچے یا اسکی قیمت
۹۰ ہوں تو	ایک ایک سال کے ۳ بچے یا اسکی قیمت
۱۰۰ ہوں تو	ایک ایک سال کے دو بچے اور
	دو سال کا ایک بچہ یا اسکی قیمت

ضروری ہدایات

۱-اسی طرح تعداد جتنی زیادہ ہوگی ان کی زکوٰۃ بڑھتی جائے گی، اسکے ادا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ۳۰ اور ۴۰ کو معیار بنالیا جائے، اور ۶۰ سے زیادہ جتنی تعداد ہو ان میں ۳۰ اور ۴۰ کے اعتبار سے زکوٰۃ دی جائے۔ مثلاً ۷۰ میں ایک سال کا ایک بچہ جو ۳۰ کی زکوٰۃ ہے اور ایک ۲ سال کا بچہ جو ۴۰ کی زکوٰۃ ہے دینا چاہئے، اسی طرح جتنے ۳۰ یا ۴۰ ہوں گے اتنے ہی ایک یا دو سال کے بچے بڑھتے جائیں گے، مثلاً ۱۲۰ ہوں تو اس میں یا تو ۴ بچے ایک ایک سال کے دیئے جائیں یا تین بچے دو دو سال کے۔ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ دہائی کے درمیان کی تعداد پر زکوٰۃ نہیں ہے، مثلاً ۴۰ اور ۶۰، یا ۶۰ اور ۷۰ کے درمیان کی تعداد جو ۵، ۷، ۹ کی تعداد ہے، اس میں زکوٰۃ نہیں ہے، بلکہ صرف ۴۰، ۶۰، یا ۷۰ کی زکوٰۃ دینی چاہئے۔

۲- گائے اور بھینس میں بھی اگر ایک کا نصاب نہ پورا ہوتا ہو، اور دونوں کو ملانے سے پورا ہو جاتا ہو تو ملا کر زکوٰۃ دینی چاہئے۔

اونٹ کا نصاب

تعداد جس پر زکوٰۃ واجب ہے	شرحِ زکوٰۃ
۱ سے ۴ تک	کچھ نہیں
۵ سے ۹ تک	ایک بکری یا بکرا یا اس کی قیمت
۱۰ سے ۱۴ تک	دو بکریاں یا بکرے یا اسکی قیمت
۱۵ سے ۱۹ تک	تین بکریاں یا بکرے یا اسکی قیمت
۲۰ سے ۲۴ تک	چار بکریاں یا بکرے یا اس کی قیمت
۲۵ سے ۳۵ تک	اونٹ کا ایک سال کا مادہ بچہ یا اسکی قیمت
۳۶ سے ۴۵ تک	اونٹ کا دو سال کا بچہ یا اسکی قیمت
۴۶ سے ۶۰ تک	اونٹ کا تین سال کا بچہ یا اسکی قیمت
۶۱ سے ۷۵ تک	اونٹ کا چار سال کا بچہ یا اسکی قیمت
۷۶ سے ۹۰ تک	اونٹ کے دو دو سال کے دو بچے یا اسکی قیمت
۹۱ سے ۱۲۰ تک	اونٹ کے تین تین سال کے دو بچے یا اسکی قیمت

ضروری ہدایات

۱۲۰ کے بعد اب پھر سے نیا حساب شروع ہوگا یعنی ہر پانچ پر ایک بکری اور ہر دس پر دو بکریاں یا ان کی قیمت ہوگی، یعنی اگر ۱۲۵ اونٹ ہوں گے تو ۳-۳ سال کے دو اونٹ کے بچے اور ایک بکری دینی ہوگی، اسی طرح ۱۴۰ میں ۳ بکریاں اور ۳-۳ سال کے اونٹ کے دو بچے، اسی طرح جتنے بڑھتے جائیں گے اسی حساب سے زکوٰۃ بڑھتی جائے گی۔

۵-معادن اور کنز (زمین کے اندر موجود اشیاء و دفینے)

زمین سے جو چیز نکلتی ہے اسکی دو صورتیں ہیں ایک کنز دوسرے معدن

کنز: اس مال کو کہتے ہیں جس کو کسی انسان نے زمین میں دفن کر دیا ہو اور وہ کبھی برآمد ہو جائے، جسے دفینہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

معدن: وہ چیزیں جن کو اللہ نے زمین کے اندر پیدا کر رکھا ہے، جامد ہو تو جیسے سونا، چاندی، لوہا، سیسہ، تانبہ، کوئلہ، ابرک وغیرہ اور سیال ہوں تو جیسے پٹرول، ڈیزل، مٹی کا تیل، تارکول وغیرہ

ان تمام چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہے اور اسکی مقدار بھی الگ ہے، بعض چیزوں پر خمس یعنی پانچواں حصہ اور بعض چیزوں کو اموال تجارت کے تحت لایا جاتا ہے مگر موجودہ دور میں ہندوستان میں یہ تمام چیزیں قومی ملکیت کے دائرے میں آتی ہیں اور یہ سرکاری ملکیت ہیں، انفرادی طور پر لوگ اسکے مالک نہیں ہوتے، اسلئے اس میں زکوٰۃ کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ
زکوٰۃ کے مستحقین کون کون ہیں

صدقۂ واجبہ جسکا ذکر قرآن میں ہے اور حدیث میں جسکو دین اسلام کا ایک اہم ستون اور رکن بتایا گیا ہے اسکی فرضیت اوائل اسلام میں ہی مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکی تھی جیسا کہ بعض مفسرین سورۂ مزمل کی آیت ''فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ'' سے استدلال کیا ہے، کیوں کہ یہ سورت بالکل ابتدائے وحی کے زمانے کی سورتوں میں سے ایک ہے، اس میں نماز کی ادائیگی کے ساتھ زکوٰۃ دینے کا حکم بھی ہے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں زکوۃ کیلئے کوئی خاص نصاب یا مقدار کا تعین بھی نہیں تھا اور نہ ہی اس کے مصارف کا تذکرہ، بلکہ اس وقت تک زکوٰۃ کا مفہوم یہ ہوتا تھا کہ ضرورت سے زائد مال ہو تو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے۔

زکوٰۃ میں کیا نصاب ہو، مقدار زکوٰۃ کیا ہو ان سب کی وضاحت مدینہ طیبہ میں ہوئی ہے، اور پھر زکوٰۃ کن کو دی جائے، کون لوگ اسکے مستحق ہوں گے، اسکا اجمالی بیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد و ہدایت میں موجود ہے، جو انھوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم اور قاضی بنا کر بھیجتے ہوئے فرمایا تھا:

تؤخذ من أغنيائهم و ترد إلى فقرائهم۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ان کے دولت مندوں سے وصول کی جائیگی اور ان کے ضرورتمندوں میں لوٹائی جائے گی۔

پھر زکوٰۃ وصدقات کی وصولیابی کا مکمل نظام ۸ھ فتح مکہ کے بعد عمل میں آیا ہے، مگر زکوٰۃ کے کیا مصارف ہوں یعنی کون کون لوگ اسکے مستحق ہوں گے، اسکی تفصیل اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود متعین فرمادی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تعمیل فرمائی۔

مصارفِ زکوٰۃ آٹھ ہیں، یعنی آٹھ طرح کے لوگ اس کے مستحق ہوں گے، ان کا ذکر اس آیت میں موجود ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کی دلجوئی منظور ہو اور گردنوں کو چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے راستے میں اور راہ کے مسافر کو، مقرر کیا ہوا ہے اللہ کا، اور اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ (سورۂ توبہ، آیت ۶۰)

وضاحت: اسی آیت کی ابتدا صدقات کے مصارف کے بیان سے ہے، اس آیت میں صدقات کا لفظ بولا گیا ہے جس میں تمام صدقات (واجبہ اور نفلیہ) داخل ہیں، مگر یہاں پر صدقہ سے وہ واجب صدقہ مراد ہے جو زکوٰۃ کے معنی میں ہے اور یہ مفہوم باجماع امت ہے تفسیر قرطبی میں ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں لفظ صدقہ بولا گیا ہے اور کوئی قرینہ نفلی صدقہ کا نہیں ہے وہاں صدقۂ فرض (زکوٰۃ) ہی مراد ہوتا ہے۔

گو اس آیت میں ان تمام طبقے کا ذکر جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں، یہ آٹھ طرح کے لوگ ہیں:

۱-فقراء ۲- مساکین ۳-عاملین علی الصدقہ ۴-مؤلفۃ القلوب ۵-الرقاب (غلاموں کی رہائی میں) ۶-الغارمین (قرض دار افراد) ۷-فی

سبیل اللہ (مجاہد، حاجی، طلبہ علوم دینیہ) ۸-ابن السبیل (مسافر ضرورتمند)

(۱) فقیر: اصطلاح شرع میں وہ ہے جس کے پاس ضروریات اصلیہ سے زائد نصاب کے بقدر مال نہ ہو، یعنی اس کے پاس مال ہو لیکن اگر وہ اپنی ضروریات پر خرچ کرے تو نصاب کے بقدر نہ بچے، گویا جو مالک نصاب نہیں وہ فقیر کے زمرے میں داخل ہوگا۔

(۲) مسکین: وہ کہلائیگا جسکے پاس کچھ بھی مال نہ ہو، محنت، مزدوری کے ذریعہ معاش کا انتظام کرتا ہو۔

واضح رہے کہ فقیر اور مسکین دونوں زکوٰۃ کے حکم میں برابر ہیں، یعنی وہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں، ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، البتہ علماء نے اتنی تشریح کی ہے کہ فقیر کو دست سوال دراز نہیں کرنا چاہیئے، مسکین سوال کرسکتا ہے، البتہ یہ دونوں طبقے مالدار نہیں ہیں یعنی صاحب نصاب نہیں ہے، اسلئے دونوں مصرفوں میں زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

(۳) عاملین علی الصدقہ: وہ لوگ جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات، زکوٰۃ، عشر وغیرہ کی وصولیابی کیلئے مامور ہوتے ہیں، اور چونکہ وہ اپنے اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں اسلئے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے، ان کو حق الخدمت اسی زکوٰۃ کی مد میں سے دیا جائیگا۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ زکوٰۃ کے جتنے مصارف ہیں ان میں یہ ایک طبقہ ایسا ہے کہ ان کو زکوٰۃ میں سے اجرت دیجائیگی، خواہ وہ غنی یعنی مالک نصاب ہی کیوں نہ ہو، قرآن کی اس ہدایت کے بموجب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کی وجہ سے جس میں انھوں نے بعض اغنیاء صحابہ کو حق محنت عطا فرمایا ہے، اور آپ نے ارشاد بھی فرمایا ہے کہ عامل صدقہ جو زکوٰۃ وغیرہ کی وصولیابی پر مامور ہوں ان کیلئے زکوٰۃ حلال ہے۔

(۴) مؤلفۃ القلوب : یہ وہ لوگ ہوتے تھے جن کی دلجوئی کیلئے انھیں زکوٰۃ و صدقات دیئے جاتے تھے تاکہ وہ دین اسلام پر جمے رہیں یا دین کی طرف راغب ہوں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس مصرف کو ساقط کردیا گیا تھا، کیوں کہ اب مسلمان مستحکم تھے اور ان کی حکومت بھی، اسلئے اب دلجوئی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

(۵) فی الرقاب: رقاب کا مطلب ہے جسکی گردن کسی دوسرے کی غلامی میں قید ہو یعنی خود غلام ہوں، ان میں سے ایک خاص قسم کے غلام جن کو مکاتب غلام کہا جاتا ہے یہاں باتفاق فقہاء وہی مراد ہیں، مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کے مالک نے غلام کو ایک متعین رقم کے بدلے آزاد کرنیکا معاہدہ کر رکھا ہو۔

موجودہ زمانے میں اب غلامی اور غلاموں کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، اسلئے یہ مصرف بھی تقریباً ختم ہے۔(۱)

(۶) الغارمین: یعنی مقروض و مدیون، ایسا شخص کہ جو اپنے مال میں سے قرض ادا کرنے کے بعد بھی مقروض ہی ہو تو ایسے قرضداروں کے قرض اتارنے کیلئے حسب ضرورت زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، یا اسکے پاس کچھ قرض ادا کرنے کے بقدر مال نہ ہو۔

بعض ائمہ فقہاء نے اسکے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ اس نے یہ قرض کسی ناجائز کام کیلئے نہ کیا ہو اور اگر کسی گناہ کیلئے قرض لیا، جیسے شراب وغیرہ کیلئے یا غیر اسلامی رسومات میں خرچ کرنے کیلئے تو ایسے قرضدار کو زکوٰۃ نہیں دیجائے گی تاکہ

---

(۱) موجودہ دور کے بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جو بے قصور مسلمان ناحق مقدموں کی وجہ سے جیل میں ہیں، ان کی رہائی کے لیے زکوٰۃ کی رقم اِسی ''رقاب'' کے مصرف کے تحت استعمال میں لائی جاسکتی ہے۔ بدرالاسلام قاسمی

معصیت اور اسراف بیجا کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔

(۷) فی سبیل اللہ: اسکا مطلب ہے جو اللہ کی راہ میں نکلا ہو، یعنی وہ مجاہد جو جہاد کیلئے نکلا ہوا اور اسلحہ وضروری اخراجات کیلئے رقم نہ ہو، یا وہ شخص جس پر حج فرض تھا مگر اب مال نہیں رہا، ایسے افراد کیلئے زکوٰۃ جائز ہے، اسی طرح فقہاء نے طالب علموں کیلئے بھی اجازت دی ہے جو طلب علم کیلئے نکلے ہوں۔

یہ مصرف علماء میں مختلف فیہ رہا ہے خاص طور پر دین کی تعلیم، نشر واشاعت، دعوت وتبلیغ سے وابستہ ایسے افراد جو مالدار نہ ہوں یعنی صاحب نصاب نہ ہوں، اسلئے "فی سبیل اللہ" کے عنوان کے اس مصرف پر بحث الگ سے تحریر کی جائیگی۔

(۸) ابن السبیل: وہ مسافر جو غریب الوطن ہو، اپنے گھر بار اور مال سے دور ہوا اور اسکو ضرورت پیش آجائے تو اسکو زکوٰۃ دیجائے گی۔

فی سبیل اللہ کا مفہوم

اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم ''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ'' سے یہ بات صاف ہوگئی کہ اللہ نے اپنے مومن بندوں پر نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو ایمان کی بنیاد بنایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمادیا کہ اسلام کی بنیاد جن پانچ چیزوں پر قائم ہے، ان میں ایمان (توحید ورسالت کی گواہی) کے بعد نماز اور زکوٰۃ اہم ستون اور رکن ہیں۔ دونوں کی ادائیگی اللہ کے حکم کی تعمیل ہے، گویا یہ دونوں چیزیں ایک عبادت ہیں، اللہ کے حکم سے دونوں عبادتوں کی ادائیگی یکساں طور پر ضروری ہے، البتہ ایک عبادت خالص بدنی ہے اور دوسری مالی عبادت، اقامت صلوٰۃ میں انسان کو متعینہ پانچ وقتوں میں (روزانہ) اللہ کے آگے سربسجود ہونا ہے، نماز ادا کرنے کا جو طریقہ ہے اسکی پابندی کرتے ہوئے یہ عبادت پوری ہوگی، اس میں کوئی مال خرچ نہیں ہوتا، انسان کو روزانہ کے اوقات میں بہت مختصر وقفے کیلئے اللہ کی عبادت کرنی ہے، اسطرح یہ عبادت خالص بدنی اور حقوق اللہ سے متعلق ہے۔

دوسری عبادت زکوٰۃ ہے جو مالی عبادت ہے، اس میں ایک سال میں صرف ایک دفعہ زکوٰۃ کی ادائیگی ہوتی ہے اور اللہ کے عطا کردہ مال ودولت میں سے بہت ہی محدود حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے اور چونکہ اللہ کے حکم کی تعمیل ہے، اسلئے اللہ

کا حق اس سے متعلق ہوگیا، مگر چونکہ یہ مال وزر اللہ کے بتائے ہوئے راستوں میں خرچ کرنا ہے، اور اس سے ضرورتمندوں کی امداد اور تعاون مقصود ہے، اسلئے اس میں ان مصارف (مستحقین زکوٰۃ) کے حقوق بھی وابستہ ہوں گے۔ اس طرح یہ عبادت حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو شامل ہوگی۔

اور زکوٰۃ کی فرضیت بھی اللہ کی جانب سے دراصل اپنے ان بندوں اور مصارف پر صرف کر کے ان کے تعاون اور ان کی خوشحالی کیلئے ہے، یہ افراد جو زکوٰۃ کے مستحق ہوں گے وہ کون ہو سکتے ہیں، یہ بندوں کی محدود فہم یا اپنے مفادات کو ترجیح دینے والی عقل پر نہیں چھوڑا گیا، حتی کہ اسکی تفصیل کو خود اپنے برگزیدہ بندے اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر معلق نہیں کیا، بلکہ ان مصارف کی تفصیل اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود متعین فرمادی، ارشاد ہوا:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانیوالوں کا اور جن کی دلجوئی منظور ہو اور گردنوں کو چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے راستے میں اور راہ کے مسافر کو، مقرر کیا ہوا ہے اللہ کا، اور اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ (سورۂ توبہ، آیت ۶۰)

ان تمام مصارف پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں مومن بندے کو مال ودولت کے حرص سے محفوظ رکھنے کی صورت بتائی اور زکوٰۃ کو مال ودولت اور دل ودماغ کے تزکیہ وتصفیہ کا ذریعہ بنایا وہیں دوسری طرف ان مصارف کے بیان سے واضح کردیا کہ یہ زکوٰۃ ان لوگوں پر خرچ کی جائے جو تنگ دست ہوں، مجبور ہوں، مقروض ہوں، بے بس ہوں، اور اللہ کی راہ میں نکلے ہوں،

اور فقر و فاقہ یا محتاجی کے شکار ہوجائیں، ان تمام مصارف کا تعلق اسلامی معاشرے سے ہے مسلمانوں کو پیش آنیوالی پریشانیوں سے ہے، زکوٰۃ کے ذریعہ مسائل حل ہوسکتے ہیں، اور مالی پریشانیاں دور ہوسکتی ہیں۔

ایک باران مصارف پر غور فرمائیں، فقراء اور مساکین، گویا ان کی ضرورت پوری کرنے کیلئے، پھر مؤلفۃ القلوب یعنی اسلام پر ثابت قدم رکھنے اور دلجوئی کیلئے، اسی طرح غلاموں کی آزادی، دین کے کاموں خاص طور پر جہاد پر جانیوالوں کیلئے، مسافروں کی مدد کیلئے یا پھر جو امیر المومنین کی جانب سے زکوٰۃ وغیرہ کی وصولیابی پر مامور ہوں۔

مفسرین، محدثین اور فقہائے امت نے ان تمام مصارف کی مکمل تشریح کردی ہے ان میں سے ایک مصرف ''فی سبیل اللہ'' کا ہے، جس کے معنی ہیں اللہ کی راہ میں نکلے افراد، اور اسکی وضاحت جمہور علمائے امت نے یہی کی ہے: مجاہد جو اللہ کی راہ میں نکلے اور سامانِ جہاد یا دیگر اخراجات کی ان کو کمی ہوجائے، اسی طرح وہ حج کیلئے تیار شخص جس پر حج فرض ہوگیا اور اسے حج ادا کرنا ہے مگر اب مال نہیں رہا وہ زکوٰۃ کا مستحق ہوگیا، اسی طرح فقہاء و علماء نے دین اور دینی تعلیم کیلئے نکلنے والے افراد کو بھی اسی زمرے میں شامل کیا ہے، جب وہ ضرورت مند ہوں۔

چنانچہ صاحب بدائع نے تحریر فرمایا ہے کہ ہر وہ شخص جو کوئی نیک کام یا عبادت کرنا چاہتا ہو اور اسکی ادائیگی میں مال کی ضرورت ہے تو وہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، بشرطیکہ اسکے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے اس کام کو پورا کرسکے، جیسے دین کی تعلیم اور تبلیغ اور ان کیلئے نشر و اشاعت کہ اگر کوئی مستحق زکوٰۃ یہ کام کرنا چاہے تو اسکی امداد مالِ زکوٰۃ سے کردیجائے مگر مالدار صاحب نصاب کو نہیں دیا جاسکتا۔

(بحوالہ معارف القرآن ج ۴ ص ۴۰٦)

بعض علماء نے فی سبیل اللہ کا حاصل یہ بتایا کہ وہ لوگ جو اعلاء کلمۃ اللہ اور دین

اسلام کی شوکت کی راہ پر ہوں۔

بعض حضرات نے اسکی یہ وضاحت کی ہے کہ ملت کی صلاح وفلاح اور اسکے تحفظ کا مدار فی سبیل اللہ پر ہے اور دین وشریعت کو مضبوط کرنیکا یہ سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

''لفظی معنی کے اعتبار سے اس مد میں تو ہر وہ خرچ آجاتا ہے جو اللہ کی رضا جوئی کیلئے کیا جائے، لیکن مفسرین نے احادیث نبوی اور آثار صحابہ کی روشنی میں خرچ کی اس مد کو عموماً مجاہدین تک محدود رکھا ہے۔''

اور آگے لکھتے ہیں:

''بعض نے حاجیوں کو بھی اس میں شامل کیا ہے اور بعض نے دینی طالب علموں کو بھی اس مد میں شامل کرلیا ہے۔'' (تفسیر ماجدی ج ۲ ص ۳۷۱)

یہ تمام افراد بلا شبہ جمہور علمائے امت کے نزدیک فی سبیل اللہ میں داخل ہیں، مگر بعض فقہاء یا معاصر علماء نے اس میں توسع سے کام لیا اور بعض نے تو حدود سے متجاوز ہو کر توسیع کردی ہے اور فی سبیل اللہ کے تحت ہر امور خیر اور رفاہی کاموں کو بھی شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔

اور جیسا کہ زکوٰۃ کے سلسلے میں جمہور فقہاء کا مسلک معروف ہے کہ اس میں تملیک ضروری ہے، یعنی مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا مالک بنانا ضروری ہے تب زکوٰۃ کی ادائیگی ہوگی یا ان ضرورتمندوں کیلئے زکوٰۃ کی رقم میں سے ان کیلئے ضروری اشیاء خرید کر ان کو دے دینے سے بھی تملیک ہوجاتی ہے، اسلئے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی، اسی طرح دوا خرید کر دینے میں بھی تملیک پائی جاتی ہے، تو اس میں بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔

اس لحاظ سے خیراتی کاموں یا فلاحی امور میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنیکی کوئی گنجائش نہیں نکلتی ہے، ''فی سبیل اللہ'' کے اس مفہوم کو محدود یا وسیع کرنے میں فقہاء

اور علماء کی اپنی اپنی رائے ہیں، بعض حضرات نے زکوٰۃ کی اصل حقیقت اور اسکی روح کو مفسرین ومحدثین ومتقدمین فقہاء امت کی تشریحات کی بجائے اپنے نظریئے سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

ان تفصیلات سے بچتے ہوئے اس مسئلہ پر نہایت جامع، متوازن اور شرعی و فقہی قوانین ومقاصد کی روشنی میں ایک تفصیلی تحریر درج کر رہا ہوں جو معروف مفسر وفقیہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں تحریر فرمائی ہے:

''لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنی بہت عام ہیں، جو جو کام اللہ کی رضا جوئی کیلئے کئے جائیں وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں، جو لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر و بیان اور ائمہ تفسیر کے ارشادات سے قطع نظر محض لفظی ترجمہ کے ذریعہ قرآن سمجھنا چاہتے ہیں یہاں ان کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ لفظ ''فی سبیل اللہ'' دیکھ کر زکوٰۃ کے مصارف میں ان تمام کاموں کو داخل کر دیا جو کسی حیثیت سے نیکی یا عبادت ہیں، مساجد، مدارس، شفاخانوں، مسافرخانوں وغیرہ کی تعمیر، کنویں اور پُل اور سڑکیں بنانا اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام ضروریات، ان سب کو انہوں نے فی سبیل اللہ میں داخل کر کے مصرف زکوٰۃ قرار دیا جو سراسر غلط ہے، اور اجماع امت کے خلاف ہے، صحابہ کرام جنھوں نے قرآن کریم کو براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا اور سمجھا ہے ان کی اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیرین اس لفظ کے متعلق منقول ہیں ان میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لئے مخصوص قرار دیا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے ایک اونٹ کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو فرمایا کہ اس اونٹ کو حجاج کے سفر

میں استعمال کرو۔ (مبسوط سرخسی ج ۳ ص ۱۰)

امام ابن جریر، ابن کثیر قرآن کی تفسیر روایاتِ حدیث ہی کرنے کے پابند ہیں، ان سب نے لفظ فی سبیل اللہ کو ایسے مجاہدین اور حجاج کیلئے مخصوص کیا ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو، اور جن حضرات فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے، تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و حاجتمند ہوں، اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر و حاجت مند تو خود ہی مصارفِ زکوٰۃ میں سب سے پہلا مصرف ہیں، ان کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل نہ کیا جاتا تب بھی وہ مستحق زکوٰۃ تھے، لیکن ائمہ اربعہ اور فقہائے امت میں سے یہ کسی نے نہیں کہا کہ رفاہ عام کے اداروں اور مساجدو مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارفِ زکوٰۃ میں داخل ہیں، بلکہ اسکے خلاف اسکی تصریحات فرمائی ہیں کہ مال زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں ہے، فقہائے حنفیہ میں سے شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط اور شرح سیر میں اور فقہائے شافعیہ میں ابوعبید نے کتاب الاموال میں اور فقہائے مالکیہ میں سے دردیز نے شرح مختصر خلیل میں وفقہائے حنابلہ میں سے موفق نے مغنی میں اسکو پوری تفصیل سے لکھا ہے۔

ائمہ تفسیر اور فقہائے امت کی مذکورہ تصریحات کے علاوہ اگر ایک بات پر غور کر لیا جائے تو اس مسئلے کو سمجھنے کیلئے بالکل کافی ہے، وہ یہ کہ اگر زکوٰۃ کے مسئلے میں اتنا عموم ہوتا کہ تمام طاعات وعبادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہو تو پھر قرآن میں ان آٹھ مصرفوں کا بیان (معاذ اللہ) بالکل فضول ہو جاتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جو پہلے اسی سلسلے میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مصارف صدقات متعین کرنے کا کام نبی کو بھی سپرد نہیں کیا بلکہ خود ہی اسکے آٹھ مصرف متعین فرمادیئے۔

تو اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات اور نیکیاں داخل ہیں اور ان میں

سے ہر ایک میں زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے تو معاذ اللہ یہ ارشاد نبوی بالکل غلط ٹھہرتا ہے، معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے لغوی ترجمہ سے جو ناواقف کو عموم سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ نہیں ہے، بلکہ مراد وہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور صحابہ وتابعین کی تصریحات سے ثابت ہے۔''

(معارف القرآن ج ۴ ص ۴۰۷ و ۴۰۸)

زکوٰۃ کے علاوہ دیگر صدقات وخیرات

صدقات کی اہمیت، ضرورت اور اس کی افادیت پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا آیتیں نازل فرمائی ہیں، مختلف اسلوب سے صدقات کی تاکید کی گئی ہے اور ترغیب دینے کے ساتھ ساتھ اس کے اجر وبرکت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

بعض آیتوں میں اقامت صلوٰۃ کے ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا تو دوسرے مقامات پر صدقات وخیرات اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی۔

زکوٰۃ کے سلسلے میں تو قرآن کریم میں ستّر سے زائد مقامات پر ذکر موجود ہے اور زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے واضح طور پر کہا گیا:

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور قائم کرو نماز کو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنیوالوں کے ساتھ رکوع کرو۔

مگر مطلقاً اللہ کے لئے خرچ کرنے کی تاکید بھی قرآنی آیات میں موجود ہیں جو زکوٰۃ کے علاوہ دیگر صدقات پر مشتمل ہیں۔ جیسے:

ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

ترجمہ: (قرآن کریم) راستہ بتانے والا ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے جو غیب کی چیزوں پر یقین رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (سورۂ بقرۃ)

اور ایک آیت میں تو ارشاد ہوا کہ نیکی میں کمال حاصل نہیں ہوسکتا جب تک خرچ نہ کرو یعنی صدقہ نہ کرو:

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ

ترجمہ: (اے ایمان والو) تم کمال نیکی حاصل نہیں کر سکتے یہاں تک کہ اس چیز کو خرچ نہ کرو جو تم کو محبوب ہو۔

ایک جگہ ارشاد ہوا:

وَ اَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۛۚ

ترجمہ: اور تم اللہ کے راستے میں خرچ کیا کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں نہ ڈالو۔

اسی طرح انفاق فی سبیل اللہ کا حکم اور تاکید ذیل کی آیت سے بھی ظاہر ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ

ترجمہ: اے ایمان والو! خرچ کرو ان چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوسکتی ہے، نہ دوستی اور نہ کسی کی (اللہ کی اجازت کے بغیر) سفارش۔

یہ چند آیتیں ہیں جن میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تلقین ہے اور صدقات وخیرات کی فضیلت کا ذکر اور ایمان والے کی خصوصیت ہے۔

اسکے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ اور ذاتی عمل میں بھی صدقات کی اہمیت اور اسکے فوائد پر مشتمل امت مسلمہ کیلئے اس بات کی رہنمائی ہے کہ انسانی معاشرہ خاص طور پر اسلامی معاشرے کی فلاح و بہبود اور مسلمانوں کی خوشحال زندگی کیلئے اللہ کا مقرر کردہ نظام ہے کہ اگر مسلمان اس پر پابندِ عمل ہوں تو نہ صرف یہ کہ غریبوں اور ضرورتمندوں کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل ہوجاتی ہے بلکہ

پورا معاشرہ درست ہوتا ہے، اور مجبوری وغربت کے زیر سایہ جنم لینے والے بہت سے جرائم اور بیشتر برائیوں کا خاتمہ بھی ممکن ہے۔

صدقات کی تفصیل

دین اسلام میں جو صدقات ہیں جن کے سلسلے میں آیات قرآنی اور روایات نبوی سے ترغیب ملتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جو فرض و واجب ہیں، دوسرے وہ جو نفلی ہیں، فرض صدقات میں زکوٰۃ، صدقۃ الفطر یا نذر کا صدقہ ہے، اسکے علاوہ اللہ کے نام پر جو خرچ کیا جائے جس میں اللہ کی رضا اور اللہ کے بندوں کی مشکل کشائی مقصود ہو وہ بھی صدقات وخیرات کہلاتے ہیں اور ان صدقات نافلہ کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کے نیک عمل اور مومن کی صفات بتائی گئی ہے۔

زکوٰۃ وصدقۃ الفطر کے مستحقین تو وہ ہیں جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے، مگر عام صدقات وخیرات کیلئے یہ حضرات بھی مستحق ہیں اور دوسرے افراد بھی، یہاں تک کہ ان کیلئے مسلمان ہونا بھی شرط نہیں ہے، اس سے تمام مسلمانوں اور دیگر بنی نوع انسان کی مدد ملتی ہے، ان کی دادرسی ہوتی ہے اور انسان کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل بھی۔

اسی مفہوم کو بتانے کیلئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ارشاد بھی فرمایا جو ترمذی اور ابن ماجہ میں مروی ہے:

عن فاطمة بنت قيس رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن في المال لَحَقًّا سوى الزكوٰة ثم تلا ليس البرّ أن تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب الآية۔ (ترمذی، ابن ماجة

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (اللہ کا) حق ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ وَ لٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ الۡمَلٰٓئِكَةِ وَ الۡكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى وَ الۡيَتٰمٰى وَ الۡمَسٰكِيۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِيۡلِ ۙ وَ السَّآئِلِيۡنَ وَ فِى الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ

ترجمہ: اصل نیکی اور بھلائی (کا معیار) یہ نہیں ہے کہ (عبادت میں) تم مشرق کی طرف اپنا رخ کرو یا مغرب کی طرف، بلکہ اصل نیکی کی راہ بس اُن لوگوں کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر، اور ملائکہ پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر اور جنھوں نے مال کی محبت کے باوجود اس کو خرچ کیا قرابت داروں پر اور یتیموں اور مسکینوں پر، اور مسافروں اور سائلوں پر، اور غلاموں کو آزادی دلانے میں اور اچھی طرح قائم کی انھوں نے نماز اور ادا کی زکوٰۃ۔ (معارف الحدیث ص ٦١)

اس حدیث میں آپ نے زکوٰۃ کے علاوہ بھی صدقات وخیرات کی ترغیب دی اور فرمایا کہ واجب صدقے کے علاوہ بھی دولت مندوں پر اللہ کے کچھ مالی مطالبے اور حقوق ہیں، دلیل کے طور پر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آیت تلاوت فرمائی جس میں ایمان کے ساتھ ساتھ نیک اعمال کا ذکر ہے، خاص طور پر یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں اور ضرورت مندوں کی مالی مدد کا ذکر ہے، اس کے بعد ہی نماز اور زکوٰۃ کا ذکر ہے، معلوم ہوا کہ ان کمزور اور ضرورت مندوں کی مالی امداد کا جو بیان ہے وہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے کیوں کہ زکوٰۃ کا ذکر تو آگے الگ آرہا ہے۔

ان واجب مالی صدقات کی ادائیگی تو دولت مندوں پر فرض ہے اور مزید صدقات وخیرات کا مطالبہ اس مذکورہ بالا حدیث وآیت کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے، مگر جو خود غریب ومحتاج ہوں کیا وہ صدقات وخیرات کے اجر سے محروم رہیں

گے؟ قطعی نہیں! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ صدقہ ہر مسلمان پر لازم ہے، اور یہ صدقہ مالی بھی ہوسکتا ہے اور غیر مالی بھی، اس میں دولت منداور غریب دونوں کو اجر حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے، حدیث ہے:

عن أبی موسی الاشعری قال قال رسول اللہ ﷺ علی کل مسلم صدقة قالوا افإن لم یجد؟ قال فلیعمل بیدیه، فینفع نفسه و یتصدق قالوا افإن لم یستطع؟ قال فیعین ذا الحاجة الملهوف قالوا فإن لم یفعله؟ قال فیأمر بالخیر قالوا فإن لم یفعل؟ قال فیمسک عن الشر فإنه له صدقة (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر کسی آدمی کے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنے دست و بازو سے محنت کرے اور کمائے پھر اس سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کرے۔ عرض کیا گیا کہ اگر وہ یہ نہ کرسکتا ہو تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کہ کسی پریشاں حال محتاج کا کوئی کام کر کے اس کی مدد ہی کردے (یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہے) عرض کیا گیا کہ اگر وہ یہ بھی نہ کرسکے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا تو اپنی زبان ہی سے لوگوں کو بھلائی اور نیکی کے لیے کہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر وہ یہ بھی نہ کرسکے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کہ (کم از کم) شر سے اپنے کو روکے (یعنی اس کا اہتمام کرے کہ اس سے کسی کو تکلیف اور ایذا نہ پہنچے) یہ بھی اس کے لیے ایک طرح کا صدقہ ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ان دونوں حدیثوں سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالدار صاحب نصاب اور غریب مسلمانوں کو بھی صدقہ کرنیکی ترغیب دی ہے، جو دولت مند ہیں وہ زکوٰۃ ادا کر کے فرض سے سبکدوش ہوں گے، مگر اسکے بعد ان کو یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ اب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور مزید صدقات و خیرات کی

ضرورت نہیں رہی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ اسکے علاوہ بھی مال میں حق باقی ہے، مزید صدقات کی ضرورت ہے، نیک کاموں اور رفاہی امور کیلئے الگ سے تعاون کرنے کی ضرورت ہے، زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی اگر کوئی ضرورتمند سامنے آئے تو اس کی امداد بھی واجب ہوگی، اسی طرح اگر علم دین کی اشاعت میں کچھ لوگ مصروف ہیں اور وہ طلبہ نہ ہوں بلکہ اساتذہ، معلمین، مبلغین، مصنفین اور اسی طرح کے امور دینیہ میں مشغول افراد، ان کی ضرورت کی تکمیل اور اعانت بھی ایک حق ہے، جو اصحاب ثروت کو ادا کرنا چاہئے۔ اسی طرح مساجد، مدارس، یتیم خانے، شفاخانے وغیرہ کی تعمیر میں ان کو مالی مدد کرنی ہے جو سب اللہ کی راہ میں اور اللہ کے ضرورتمندوں کے فائدے کیلئے ہیں۔

اور اگر مسلمان صاحب نصاب یا دولت مند نہ ہوں بلکہ غریب ہوں، ضعیف ہوں، ان کیلئے بھی صدقہ اور اسکے اجر کی راہ موجود ہے، غریب و نادار مسلمان معمولی قسم کی مالی امداد بھی کردیں وہی صدقہ ہے، اچھے بول بولدیں، کسی کی اخلاقی مدد کردیں، یہی ان کیلئے صدقہ ہے، اس طرح صدقات و خیرات کی فضیلت صرف سرمایہ داروں کا ہی حصہ نہیں بلکہ غریب مسلمانوں کو بھی اس کا اجر حاصل کرنیکا موقع مل سکتا ہے۔

اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بندے کو صدقے کی ترغیب دی اور فرمایا کہ صدقات و خیرات کی برکت یہ ہے کہ اللہ صدقہ کرنے والوں کو غیب سے دیتا رہے گا۔

روایت ہے:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الله تعالىٰ انفق يا ابن آدم أنفِقَ عليک۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ اے آدم کے فرزند! تم (میرے ضرورتمند بندوں پر) اپنی کمائی خرچ کرو، میں تم کو اپنے خزانے سے دیتا رہوں گا۔

عام طور پر انسان یہ سوچتا ہے کہ اگر اس نے اپنا مال خرچ کر دیا اور صدقہ کر دیا تو مال میں کمی آجائیگی، مگر جس کو اللہ پر بھروسہ ہے وہ یہ گمان نہیں کرتے، خود اللہ کے رسول نے فرمادیا کہ مال صدقہ کرنے سے کم نہیں ہوتا بلکہ اس میں برکت ہوتی ہے۔

چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے:

عن ابی هريرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما نَقَصَتْ صَدَقَةٌ من مالٍ و ما زاد اللہُ بعَفوٍ إلا عزًّا و ما تواضعَ أحدٌ إلا رفعه اللہ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی ہے (بلکہ اضافہ ہوتا ہے) اور قصور معاف کر دینے سے آدمی نیچا نہیں ہوتا بلکہ اللہ اس کو سربلند کر دیتا ہے، اور جو بندہ اللہ کیلئے تواضع اور خاکساری اختیار کرے گا اللہ اس کو برتری عطا کرے گا۔ (مسلم)

صدقات وخیرات کی مختلف صورتیں

اللہ سے اجر کی امید پر اور نیک عمل کے بطور صدقہ کرنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، یہ نہیں کہ کسی کو مال دیدیا تو صدقہ ہے، بلکہ ضرورتمندوں کو کھلانا پلانا، پہنانا بھی صدقہ ہے، حتی کہ بھوکے پیاسے جانوروں کو کھانا پلانا بھی صدقہ ہے، اپنے عزیز واقارب پر خرچ کردینا بھی صدقہ ہے۔ اہل وعیال کی ضروریات کی تکمیل بھی صدقہ ہے۔ اس بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ہم یہاں مختصر طور پر بعض احادیث اوران کے ترجمے پیش کررہے ہیں:

عن ابی موسی الاشعری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی کل مسلم صدقة قالوا فان لم یجد قال فلیعمل بیدیه فینفع نفسه و یتصدق قالوا فان لم یستطع قال فیعین ذا الحاجة الملهوف قالوا فان لم یفعله قال فیامر بالخیر قالوا فان لم یفعل قال فیمسک عن الشر فانه له صدقة۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: اگر کسی آدمی کے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہ ہوتو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کہ: اپنے دست و بازو سے محنت کرے اور کمائے پھر اس سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کرے۔ عرض کیا گیا کہ: اگر وہ یہ نہ کرسکتا ہوتو کیا کرے؟

آپ نے فرمایا: کسی پریشاں حال محتاج کا کوئی کام کر کے اس کی مدد ہی کر دے (یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہے) عرض کیا گیا کہ: اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا: تو اپنی زبان ہی سے لوگوں کی بھلائی اور نیکی کے لیے کہے۔ لوگوں نے عرض کیا: اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کہ (کم از کم) شر سے اپنے کو روکے (یعنی اس کا اہتمام کرے کہ اس سے کسی کو تکلیف اور ایذا نہ پہنچے) یہ بھی اس کے لئے ایک طرح کا صدقہ ہے۔

اس حدیث سے تو معلوم ہوا کہ جو دولت مند نہیں بلکہ غریب ہیں ان کو بھی صدقہ کرنا چاہئے، خواہ وہ بظاہر معمولی چیز ہو، لیکن اس پر بھی اللہ اجر دے گا، چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی صدقہ کرنے کی ہدایت دی، جب کہ حضرت ابو ہریرہ اصحاب صفہ میں سے تھے جن کی اپنی گذر اوقات کیلئے ذاتی مال نہیں ہوتا تھا، وہ سب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں ہوتے، آپ کے اصحاب ان اصحاب صفہ کیلئے کچھ کھانے پینے کی اشیاء لا کر دیا کرتے تھے، خاص طور پر کھجور جو اس وقت مدینے والوں کی غذا بھی تھی، ان کھجوروں میں سے چند دانے یا کچھ حصے حضرت ابو ہریرہ نے جمع کر لئے تھے تو آپ نے فرمایا تھا کہ سب اپنے اور دوسروں پر خرچ کر دیا کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو وہ آئندہ بھی عطا فرمائے گا، حدیث یہ ہے:

عن ابی هریرة ان النبی صلی اللہ علیه و سلم دخل علی بلال و عنده صبرة من تمر فقال ما هذا یا بلال؟ قال شیئ ادّخرته لغد فقال اما تخشی ان تری له بخارا فی نار جهنم یوم القیامة انفق یا بلال و لا تخش من ذی العشر اقلالا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت بلال کی قیام گاہ پر پہنچے اور دیکھا کہ اُن کے پاس چھواروں کا ایک ڈھیر ہے، آپ نے فرمایا: بلال! یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو آئندہ کے لئے ذخیرہ بنایا ہے (تاکہ مستقبل میں روزی کی طرف سے گونہ اطمینان رہے) آپ نے فرمایا: بلال! کیا تمھیں اس کا ڈر نہیں ہے کہ کل قیامت کے دن آتشِ دوزخ میں تم اس کی تپش اور سوزش دیکھو۔ اے بلال! جو مال پاس آئے اس کو اپنے پر اور دوسروں پر خرچ کرتے رہو اور عرشِ عظیم کے مالک سے قلت کا خوف نہ کرو۔ (یعنی یقین رکھو کہ جس طرح اس نے یہ دیا ہے آئندہ بھی اسی طرح عطا فرماتا رہے گا، اس کے خزانے میں کیا کمی ہے، اس لیے کل کے لئے ذخیرہ رکھنے کی فکر نہ کرو۔)

اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورتمندوں پر صرف کرنیکی ایک صورت یہ بھی بتائی کہ ضرورتمندوں کو کھانا کھلاؤ، ان کو کپڑے پہناؤ اس پر بھی اسی طرح اجروثواب حاصل ہوگا، جس طرح صدقہ کرنے پر ملتا ہے، چنانچہ ابوداؤد اور ترمذی کی روایت ہے:

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما مسلم کسا مسلما ثوبا علی عریً کساہ اللہ من خضر الجنۃ و ایما مسلم اطعم مسلما علی جوع اطعمہ اللہ من ثمار الجنۃ و ایما مسلم سقی مسلما علی ظمأ سقاہ اللہ من الرحیق المختوم۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلم نے کسی دوسرے مسلم بھائی کو جس کے پاس کپڑا نہیں تھا، پہننے کو کپڑا دیا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا اور جس مسلم بھائی نے دوسرے مسلم بھائی کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا، اور جس مسلم نے پیاس کی حالت میں دوسرے مسلم بھائی کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی سربمہر

شرابِ طہور پلائے گا۔

اور ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو کھلانے پلانے کی ترغیب دی تو کسی صحابی نے دریافت فرمایا: کیا جانوروں کے کھلانے پلانے میں بھی ثواب ہے؟ آپ نے جواب دیا: ہاں ہر حساس جانور جس کو بھوک پیاس کی تکلیف ہو اس کو کھلانے پلانے میں اجر وثواب ہے۔ (بخاری واور مسلم کی ایک مشہور روایت میں یہ ذکر موجود ہے)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر انسان کے مال یا پیداوار میں سے کوئی انسان، جانور، چرند، پرند کھالیں تو یہ بھی اس کے حق میں صدقہ ہوجاتا ہے، جتنا کھالیا گیا اس پر صدقے کا اجر مرتب ہوجاتا ہے، ملاحظہ ہو یہ حدیث:

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من مسلم یغرس غرسا او یزرع زرعا فیاکل منہ انسان او طیر او بھیمۃ الا کانت لہ صدقۃ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو مسلمان بندہ کوئی درخت لگائے یا کھیتی کرے تو اُس درخت یا اُس کھیتی سے جو پھل اور جو دانہ کوئی انسان یا کوئی پرندہ یا کوئی چوپایہ کھائے گا وہ اُس بندے کے لئے صدقہ اور اجر وثواب کا ذریعہ ہوگا۔

اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا انسان کی ذمہ داری ہے، ان کی ضروریات کی تکمیل انسان پر واجب ہے، اور جب آدمی ان کیلئے خرچ کرتا ہے تو یہ تصور کرتا ہے کہ یہ انسانی یا معاشرتی فریضہ ہے جسے وہ ادا کر رہا ہے، ظاہر ہے اسمیں اجر وثواب کا کیا عمل دخل ہوسکتا ہے، مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اہل و عیال واعزہ واقارب پر بھی لوجہ اللہ اور ثواب کی نیت سے خرچ کرنا چاہیئے، اسی صورت میں جو بھی خرچ ہوگا وہ صدقہ کی طرح ثواب کا سبب ہوگا، ایک روایت میں

آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ دیتے ہو (کھلاتے ہو) وہ بھی صدقہ ہے، یعنی اس پر بھی صدقے کا اجر حاصل ہوگا۔

معلوم ہوا کہ ہم جو اپنے بیوی بچوں کے کھانے پینے اور لباس پر جائز حدود میں خرچ کرتے ہیں وہ بھی کارثواب اور صدقہ ہے، بشرطیکہ یہ نیت کریں کہ اس میں بھی اللہ کے حکم کی تعمیل ہے، چنانچہ روایت ہے:

عن ابی مسعود قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اذا انفق المسلم نفقة علی اهله وهو یحتسبها کانت له صدقة۔

ترجمہ: حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی صاحب ایمان بندہ اپنے اہل وعیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو وہ اس کے حق میں صدقہ ہوگا (اور وہ عند اللہ ثواب کا مستحق ہوگا)

زکوٰۃ اور اسلامی معاشرہ

دین اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جو تمام انسانوں کی دنیوی واخروی فلاح ونجات کا ضامن ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات کو انسانوں کے لیے مسخر کردیا اور انسانی زندگی میں پیش آنے والے تمام مسائل ومشکلات کا حل دین اسلام نے پیش کردیا، خواہ وہ مسائل اجتماعی ہوں یا انفرادی، دنیا میں کس طرح زندگی گذاری جائے جس سے پورے انسانی معاشرہ کی فلاح ہو اس کی وضاحت کردی، پھر دنیا میں کیا طریقے اختیار کئے جائیں، کونسا عمل کیا جائے اور کس چیز سے باز رہا جائے جس سے آخرت میں بھی کامرانی اور سرخروئی ہو ان تمام باتوں کی رہنمائی بھی کردی۔

ضروریات زندگی میں معاش کا مسئلہ بھی ایک اہم انسانی مسئلہ ہے، اسلام نے اس پر بھی پوری توجہ دی ہے اعتدال، توازن اور انصاف کے ساتھ، سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ ابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو نعمت اور مال ودولت عطا کی ہے اس سے آخرت کی کامیابی کا حصول مقصود رہے، مگر دنیا میں سے اپنا حصہ بھی مت بھولو۔

یعنی انسان کو زندگی گذارنے اور معیشت اختیار کرنے کے سلسلے میں ہدایت دی گئی کہ صرف دنیوی عیش و آسائش اور اپنی بھلائی ہی پیش نظر نہ رہے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہو کہ مال وزر کو آخرت میں کامیابی کیلیئے استعمال کرو، اسکا یہ مطلب نہیں کہ سب کچھ صرف آخرت ہی کیلیئے ہے بلکہ دنیاوی چیزوں میں انسانوں کا حصہ ہے جسے ضرور اختیار کرنا چاہیئے۔

معاش کے سلسلے میں اس رہنما اصول کی روشنی میں ہم اسلامی احکام اور تعلیمات پر غور کریں تو واضح ہوگا کہ عبادات واحکام ہی صرف دین اسلام کا نام نہیں بلکہ ان عبادات واحکام میں انسانی معیشت اور انسانی معاشرہ کے لئے مفید، صالح اور کامیاب ہدایات بھی ہیں، اسلام نے عبادات کے اصول واحکام بتائے تو معاملات ومعیشت میں بھی رہنمائی دی، اور ان کو دین کا حصہ بنایا، چنانچہ اللہ نے اپنے مومن بندوں کو نماز ادا کرنے کا حکم دیا تو اس کے ساتھ ہی زکوٰۃ کا فرمان بھی شامل کردیا، ''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ'' کے ساتھ ''اٰتُوا الزَّکٰوۃَ'' کا حکم بھی دیا۔

اور زکوٰۃ کا مقصد اور حاصل یہ بتایا کہ امیروں اور مالداروں سے لے کر غریبوں اور ضرورتمندوں کو دیا جائے زکوٰۃ دینے اور لینے کے اصول بھی بتادیئے، کن پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور کون لوگ اس کے مستحق ہوں گے، اس کے طریقے بھی متعین کردیئے، گویا اسطرح زکوٰۃ دینے اور لینے میں مسلمانوں کے درمیان خوشحالی کی ایک فضا بنے گی اور غریب وضرورتمند افراد بھی اپنی دنیوی بنیادی ضرورتیں پوری کرسکیں گے، اس سے ایک صالح اور متوازن معاشرہ تشکیل پائیگا۔

صدیوں پہلے سے دنیا میں مالداروں کے طبقے میں عیش وآرام اور غریبوں وضرورتمندوں پر ظلم وزیادتی اور غریب طبقے میں بے بسی، افلاس اور لاچاری کا سلسلہ چلا آرہا ہے، ایک مخصوص گروہ کے پاس مال ودولت ہے اور ان میں ہی یہ

دولت گردش کرتی رہی ہے، نتیجہ یہ کہ غریب، ضرورتمند اور مالی طور پر کمزور طبقہ معاش کی الجھنوں اور مالی بدحالیوں کا شکار رہا ہے اور دین اسلام کی تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ ظلم وزیادتی، انسانوں میں تفریق، معاشرے میں طبقاتی اور مالی کشمکش کا خاتمہ ہو، اسلئے زکوٰۃ کا نظام قائم کیا گیا تا کہ مال و دولت ایک مخصوص طبقے تک محدود نہ رہے، بلکہ اسکا فائدہ تمام بنی نوع انسانی کو حاصل ہو اور قرآن میں اس نظام زکوٰۃ کی خوبی بھی بیان کردی گئی:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ

ترجمہ: دولت تمھارے دولت مندوں کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے۔

اور تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی انسانوں نے حکم الٰہی کو پس پشت ڈالا ہے اور خود اپنے ہی اصول وضع کئے ہیں، دنیا میں ظلم وزیادتی، قتل وغارتگری، فتنے اور انقلابات کو پروان چڑھنے کا موقع ملا ہے، بیسویں صدی میں خاص طور پر سرمایہ دارانہ نظام کی زیادتیوں نے سوشلزم اور کمیونزم کو جنم دیا ہے، سرمایہ داروں نے اپنے مال و دولت کو اپنی ذات تک محدود رکھنے کی کوشش کی، غریبوں، مزدوروں کی بنیادی ضروریات بھی پوری نہیں ہو پاتی تھیں تو مؤخرالذکر طبقے میں اُبال آ گیا اور کمیونزم کا نظام مقبول ہونے لگا، اور دنیا میں سوشلزم کے نعرے لگنے لگے، مگر الٰہی نظام کے تحت معیشت اور زکوٰۃ کی تقسیم کی افادیت اگر لوگوں کی نیت اور عمل میں ہوتی تو یہ سب فتنے اور انقلابات رونما نہ ہوتے۔

دین اسلام کے اس نظام سے معاشرے کو جو فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اس کے بغیر جو ہولناک نتائج سامنے آتے ہیں اس پر ایک مبسوط تحریر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نہایت مقبول و مفید کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں پیش کی ہے، وہ درج کررہا ہوں:

”(۱) آج پوری دنیا میں سوشلزم کی بات ہو رہی ہے جس میں غریبوں کی فلاح وبہبود کا نعرہ لگا کر انہیں متمول طبقہ کے خلاف اکسایا جاتا ہے، اس تحریک سے غریبوں کا بھلا کہاں تک ہوتا ہے؟ یہ ایک مستقل موضوع ہے، مگر یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ امیر و غریب کی یہ جنگ صرف اس لیے پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے متمول طبقہ کے ذمہ پسماندہ طبقہ کے جو حقوق عائد کئے تھے ان سے انہوں نے پہلو تہی کی، اگر پورے ملک کی دولت کا چالیسواں حصہ ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا جائے اور یہ عمل ایک وقتی سی چیز نہ رہے بلکہ ایک مسلسل عمل کی شکل اختیار کر لے اور امیر طبقہ کسی ترغیب و تحریص اور کسی جبر و اکراہ کے بغیر ہمیشہ یہ فریضہ ادا کرتا رہے اور پھر اس رقم کی منصفانہ تقسیم مسلسل ہوتی رہے تو کچھ عرصہ کے بعد آپ دیکھیں گے کہ غرباء کو امیروں سے شکایت ہی نہیں رہے گی اور امیر و غریب کی جس جنگ سے دنیا جہنم کدہ بنی ہوئی ہے وہ اس نظام کی بدولت راحت و سکون کی جنت بن جائے گی۔

(۲) مال و دولت کی حیثیت انسانی معیشت میں وہی ہے جو خون کی بدن میں ہے، اگر خون کی گردش میں فتور آجائے تو انسانی زندگی کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور بعض اوقات دل کا دورہ پڑنے سے انسان کی اچانک موت واقع ہو جاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح اگر دولت کی گردش منصفانہ نہ ہو تو معاشرہ کی زندگی خطرہ میں ہوتی ہے اور کسی وقت بھی حرکت قلب بند ہو جانے کا خوف طاری رہتا ہے۔ حق تعالیٰ نے دولت کی منصفانہ تقسیم اور عادلانہ گردش کے لئے جہاں اور بہت سی تدبیریں ارشاد فرمائی ہیں ان میں سے ایک زکوٰۃ و صدقات کا نظام بھی ہے اور جب تک یہ نظام صحیح طور پر نافذ نہ ہو اور معاشرہ اس نظام کو پورے طور پر ہضم نہ کر لے تب تک نہ دولت کی منصفانہ گردش کا تصور کیا جا سکتا ہے اور نہ معاشرہ اختلال و زوال سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

(۳) پورے معاشرے کو ایک اکائی تصور کیجئے، اور معاشرے کے افراد کو اس کے اعضاء سمجھئے، آپ جانتے ہیں کہ کسی حادثے یا صدمے سے کسی عضو میں

خون جمع ہو کر منجمد ہو جائے تو وہ گل سڑ کر پھوڑے پھنسی کی شکل میں پیپ بن کر بہہ نکلتا ہے، اسی طرح جب معاشرہ کے اعضاء میں ضرورت سے زیادہ خون جمع ہو جاتا ہے تو وہ بھی سڑنے لگتا ہے اور پھر کبھی تعیش پسندی اور فضول خرچی کی شکل میں نکلتا ہے، کبھی عدالتوں اور وکیلوں کے چکر میں ضائع ہوتا ہے، کبھی بیماریوں اور اسپتالوں میں لگتا ہے، کبھی اونچی اونچی بلڈنگوں اور محلات کی تعمیرات میں برباد ہو جاتا ہے (اور اس بربادی کا احساس آدمی کو اس وقت ہوتا ہے جب اس کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو جاتے ہیں اور اسے بیک بینی دو گوش یہاں سے باہر نکال دیا جاتا ہے۔)

قدرت نے زکوٰۃ وصدقات کے ذریعہ ان پھوڑے پھنسیوں کا علاج تجویز کیا ہے جو دولت کے انجماد کی بدولت معاشرے کے جسم پر نکل آتی ہیں۔

(۴) اپنے بنی نوع سے ہمدردی انسانیت کا عمدہ ترین وصف ہے جس شخص کا دل اپنے جیسے انسانوں کی بے چارگی، غربت وافلاس، بھوک، فقر وفاقہ اور تنگ دستی وزبوں حالی دیکھ کر نہیں پسیجتا وہ انسان نہیں جانور ہے اور چونکہ ایسے موقعوں پر شیطان اور نفس، انسان کو انسانی ہمدردی میں اپنا کردار ادا کرنے سے باز رکھتے ہیں اسلئے بہت کم آدمی اس کا حوصلہ کرتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کمزور بندوں کی مدد کے لیے امیر لوگوں کے ذمہ یہ فریضہ عائد کر دیا بلکہ اس فریضۂ خداوندی کے سامنے وہ کسی نادان دوست کے مشورے پر عمل نہ کریں۔

(۵) مال جہاں انسانی معیشت کی بنیاد ہے وہاں انسانی اخلاق کے بنانے اور بگاڑنے میں بھی اس کو گہرا دخل ہے، بعض دفعہ مال کا نہ ہونا انسان کو غیر انسانی حرکات پر آمادہ کرتا ہے اور وہ معاشرہ کی ناانصافی کو دیکھ کر معاشرتی سکون کو غارت کرنے کی ٹھان لیتا ہے۔

بعض اوقات وہ چوری، ڈکیتی، سٹہ اور جوا جیسی قبیح حرکات شروع کر دیتا ہے، کبھی غربت وافلاس کے ہاتھ تنگ آ کر وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو لینے کا

فیصلہ کرلیتا ہے، کبھی وہ پیٹ کا جہنم بھرنے کیلئے اپنی عزت وعصمت کو نیلام کرتا ہے اور کبھی فقر وفاقہ کا مداوا ڈھونڈنے کے لیے اپنے دین وایمان کا سودا کرتا ہے۔

(۶) اس کے برعکس بعض اخلاقی خرابیاں وہ ہیں جو مال ودولت کے افراط سے جنم لیتی ہیں، امیرزادوں کو جو جو چونچلے سوجھتے ہیں اور جس قسم کی غیر انسانی حرکات ان سے سرزد ہوتی ہیں انہیں بیان کرنے کی حاجت نہیں، صدقات وزکوٰۃ کے ذریعے حق تعالیٰ نے مال ودولت سے پیدا ہونے والی اخلاقی برائیوں کا بھی انسداد فرمایا ہے تاکہ ان لوگوں کو غرباء کی ضروریات کا بھی احساس رہے اور غرباء کی حالت ان کیلئے تازیانۂ عبرت بھی ہے۔

(۷) زکوٰۃ وصدقات کے نظام میں ایک حکمت یہ بھی ہے اس سے وہ مصائب وآفات ٹل جاتے ہیں جو انسان پر نازل ہوتی رہتی ہیں، اسی بنا پر بہت سی احادیث شریفہ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ صدقہ سے ردّ بلا ہوتا ہے اور انسان کی جان ومال آفات سے محفوظ رہتی ہے۔

(۸) زکوٰۃ وصدقات کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے مال ودولت میں برکت ہوتی ہے اور زکوٰۃ وصدقات میں بخل کرنا آسمانی برکتوں کے دروازے بند کردیتا ہے، حدیث میں ہے کہ جو قوم زکوٰۃ روک لیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر قحط اور خشک سالی مسلط کردیتا ہے اور آسمان سے بارش بند ہوجاتی ہے۔(طبرانی، حاکم)''

زکوٰۃ کا نظم: اجتماعی یا انفرادی

اسلام کے بنیادی پانچ ستونوں میں سے اہم ترین رکن زکوٰۃ کی فرضیت تو ابتدائے اسلام ہی میں ہو چکی تھی، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں دین کی دعوت عام کی اور حکم نازل ہوا ''وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ'' کہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کریں، نماز ایک اجتماعی عبادت کا نام اور اس کی ادائیگی کیلئے مسجد میں جماعت کے ساتھ کرنے کی تاکید، اسی طرح زکوٰۃ مالی عبادت جس میں اللہ کے حکم سے بندوں کے حقوق متعلق کئے گئے، اس کا مقصد عام مسلمانوں کو جو غریب اور ضرورتمند ہوں اس کو مالی فائدہ پہنچانا، تاکہ اس کی افادیت بھی اجتماعی شکل میں ہو اور اسلامی معاشرے میں ناہمواری اور امیروں، غریبوں کے درمیان زیادہ تفریق نہ ہو۔

مکی زندگی میں زکوٰۃ کی کوئی مخصوص صورت متعین نہیں تھی، اور نہ اس کے حقدار لوگوں کی وضاحت، صرف اتنی بات عام تھی کہ مال دار لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کریں، ضروریات سے زائد مالیت ہو وہ ضرورت مند غریبوں کو دی جائے۔

اور جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی اور وہاں اسلامی حکومت کی باضابطہ تشکیل ہوئی تو ایک طرف عبادات کی تفصیل اور مدینہ کے باہر رہنے والوں میں دعوت اسلام کی تبلیغ کا عمل تیزی سے بڑھا، یہیں پر غزوات کا

سلسلہ شروع ہوا اور فتوحات میں حاصل ہونے والے اموال (مال غنیمت، فیئ، خمس وغیرہ) کی ترتیب، حفاظت اور ضروری حکومتی امور میں خرچ کرنے کے ساتھ غریبوں کے تعاون میں تقسیم کا مرحلہ بھی پیش آیا۔

مالیات کیلئے باضابطہ حکومت کا محکمۂ خزانہ تشکیل پایا جو اسلامی بیت المال کہلایا، اس بیت المال میں اموال غنیمت میں سے حاصل ہونے والے حصے محفوظ کئے گئے، غزوۂ بدر کے بعد مال غنیمت کی تقسیم کے احکامات نازل ہوئے، اور اس میں سے ایک متعین حصہ بیت المال میں جمع ہوتا رہا جس سے فوجی اخراجات بشمول اسلحہ، تعمیر وترقی اور مسلمانوں کے رفاہی امور میں خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت امیر وحاکم خرچ فرماتے رہے، غریبوں کی دادرسی، ضرورتمندوں کی امداد بھی بیت المال سے جاری رہی۔

اور جب فتح مکہ ۸ھ کے بعد جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگئی بلکہ غلبہ ہوگیا تب مالی قوانین کے دفعات کی تفصیل بھی مرتب ہوئی، پھر ۸ھ یا ۹ھ میں زکوٰۃ کی باضابطہ فرضیت ہوئی یعنی اس میں یہ تفاصیل بھی شامل ہوگئیں کہ کن لوگوں پر زکوٰۃ فرض ہوگی اور کون لوگ اس کے مستحق اور مصرف ہونگے، اتنا خلاصۃً واضح کردیا گیا کہ "توخذ من اغنیائھم و ترد الی فقرائھم" یعنی مالدار لوگوں سے لیکر وہیں کے غریبوں میں تقسیم کردی جائے گی اور زکوٰۃ کے حقدار لوگوں کی فہرست بھی قرآن میں بتادی گئی، آٹھ طرح کے لوگوں میں اموال زکوٰۃ کی تقسیم لازم قرار پائی۔

اور زکوٰۃ کن کن اموال پر واجب ہے ان کی تفصیل بھی شارع علیہ السلام نے بتادی:

۱-سونا، چاندی ۲-اموال تجارت ۳-مویشی ۴-زمین میں پوشیدہ

خزانے اوران تمام اموال میں کتنی مقدار پرزکوٰۃ واجب ہوگی اور کب ہوگی یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل طور پر واضح فرمادیا، اوراعلان کرادیا گیا کہ زکوٰۃ کی وصولیابی حکومت کی ذمہ داری ہوگی اور مالداروں پرلازم ہوگا کہ زکوٰۃ کی جملہ اقسام کا متعین حصہ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ ان کارندوں (عاملین علی الصدقات) کے حوالے کردیں، عاملین کوبھی کچھ ہدایات دی گئیں اورزکوٰۃ وصول کرنے کے شرائط وحدود متعین ہوئے۔

اب بیت المال میں اس کا ایک شعبہ بھی منظم ہوگیا جس کے تحت کام کرنے والے افراد متعین ہوئے اوران کے اصطلاحی نام بھی وضع ہوئے اوروہ اس طرح رہے:

۱-عاملین علی الصدقات (زکوٰۃ وصول کرنے والے کارکنان وافسران)

۲-کاتبین صدقات (زکوٰۃ و صدقات کا حساب کتاب کرنے والے حضرات)

۳-خارصین (وہ لوگ جو پیداوار اموال میں عشر وصول کرنے کیلئے ہوتے اوروقت قریب آنے پر کھیتوں اور باغات میں پیداوار کا اندازہ لگاتے)

۴-عمال علی الحمیٰ (چوں کہ مویشیوں پربھی زکوٰۃ واجب ہے، جومویشی آبادی سے باہر چراگاہ میں ہوتے، ان سے زکوٰۃ وصول کرنیوالوں کی ٹیم الگ ہوگی اور وہی عمال علی الحمیٰ کہلاتی)

مجموعی طور پر یہ سب حضرات عاملین علی الصدقات ہی کے زمرے میں آتے ہیں۔

دوررسالت میں زکوٰۃ کی وصولیابی کیلئے بڑے جلیل القدر صحابۂ کرام مامور ہوئے جن میں امانت و دیانت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں بھی ہوتی تھیں، احادیث میں ان حضرات کے اس کارحکومت کا تذکرہ ملتا ہے، اورزکوٰۃ کیلئے ایک بنیادی ہدایت پر مشتمل وہ حدیث بخاری ومسلم میں موجود ہے جس میں نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا والی بنا کر بھیجا تھا اور ان سے فرمایا تھا کہ نماز کی تاکید کرنا اور ان سے زکوٰۃ وصول کرنا، پھر فرمایا تھا کہ یہ زکوٰۃ وہاں کے مالداروں سے لی جائے اور وہیں کے غریب وضرورتمند افراد میں تقسیم کردی جائے۔

ان کے علاوہ عاملین صدقات میں حضرت عمر فاروق، عبدالرحمٰن بن عوف، عمرو بن عاص اور ابو عبیدہ بن الجراح رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے حضرات صحابہ بھی تھے، ان حضرات کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبیلوں میں زکوٰۃ اور عشر کی وصولیابی کیلئے بھیجا اور ان کو ہدایات بھی دیں، ساتھ ہی ان قبیلوں کے مالدار افراد کو ہدایت ہوتی کہ ان محصلین زکوٰۃ کو زکوٰۃ دیکر خوشی سے واپس کیا جائے، اور ان تمام افراد کو بیت المال کے زکوٰۃ فنڈ سے ان کی اجرت اور تنخواہ دیجاتی تھی۔

خلفائے راشدین کے دور میں بھی زکوٰۃ وعشر کی وصولیابی کا یہی معمول رہا، اسلامی حکومت یعنی امیر المومنین کی جانب سے عاملین علی الصدقات تمام اموال زکوٰۃ میں واجب حصہ وصول کرتے اور حکومتی خزانے (بیت المال) میں جمع کرادیتے، اس طرح اجتماعی طور پر زکوٰۃ وصول اور جمع کرنے کا نظم رہا، پھر اسلامی حکومت کی جانب سے مصارف زکوٰۃ میں حسب ضرورت ومقدار ان کو صرف کیا جاتا تھا، جسکا ایک نمایاں فائدہ یہ ہوا کہ بہت سی جگہوں اور علاقوں میں ضرورتمند اور زکوٰۃ کے مستحق لوگ ہی نہیں رہے، اس حد تک معاشرے میں خوشحالی آگئی اور محتاجوں کی تنگی بھی دور ہوگئی، چنانچہ جب امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں حضرت معاذ بن جبلؓ نے یمن سے زکوٰۃ کی رقم مرکزی حکومت (مدینہ) بھیجی تو حضرت عمرؓ نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ زکوٰۃ یمن ہی کے غریب ومستحق افراد کو تقسیم کردو، اس پر حضرت معاذؓ نے جواب دیا تھا کہ یہاں اب کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں رہا۔

اسلامی حکومت کی جانب سے اجتماعی نظم زکوٰۃ کا یہ سلسلہ جاری رہا، خلافت راشدہ ہی میں جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا اور مشرق و مغرب کے بیشتر ممالک اسلامی حکومت کے زیر نگیں آئے، مسلمانوں کی تعداد میں بیحد اضافہ ہوا، ان کے مال دولت میں بھی مختلف النوع اضافے ہوئے، سونا چاندی، اموالِ تجارت اور جانوروں کی تعداد بڑھی اور ہر ایک سے زکوٰۃ کی وصولیابی میں کچھ دشواری ہوئی اور کچھ مصالح درپیش ہوئے تو خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک نئی صورت سامنے آئی، حکومت کی طرف سے حکم جاری ہوا کہ اموالِ ظاہرہ میں تو عاملین ازخود زکوٰۃ وصول کریں گے البتہ اموالِ باطنہ میں مالدار حضرات خود زکوٰۃ بیت المال کو دیں یا انفرادی طور پر ادا کردیں۔

اموال ظاہرہ کا مطلب تھا زمینی پیداوار، کھیت اور باغات سے جو پیداوار ہو اور اموال باطنہ کا مطلب تھا کہ سونا چاندی اور اموالِ تجارت۔

زکوٰۃ کی وصولیابی کیلئے اجتماعی نظم میں یہ تفریق وقتی تھی یا کسی مصلحت کے تحت ایسا ہوا اس میں تفصیل بھی ہے اور بحث بھی، اس لئے اس حصے کو یہیں ختم کرتے ہیں۔

خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ اور بنو عباسیہ کے دور میں بھی حکومت کی جانب سے زکوٰۃ کی تحصیل اور اس کی تقسیم کا سلسلہ برقرار رہا، گرچہ بیت المال میں جمع شدہ زکوٰۃ وصدقات کی رقم کا بیجا استعمال بھی ہوا، تو بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ایسے افراد کو زکوٰۃ کیسے دی جائے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ اب زکوٰۃ کسے دیں، فرمایا: اگرچہ وہ ایسا کرتے ہوں مگر ان کو ہی دو، کیوں کہ زکوٰۃ کا معاملہ بغیر نظام کے قائم نہیں رہ سکتا۔

چنانچہ اسلام کے ابتدائی دور سے اسلامی مرکزی حکومت کے خاتمے تک یعنی ساتویں صدی ہجری تک زکوٰۃ کا نظم اسلامی حکومت کے بیت المال ہی کے تحت

جاری رہا، جس کے فوائد اور نشانات بہت نمایاں رہے۔

مگر جب سقوطِ بغداد (۶۵۶ھ) ہوا اور اسلامی ریاست ختم ہوئی تو نظم ونسق منتشر ہوگیا، مالیات میں بھی بکھراؤ آیا، مسلم حکمراں نہیں رہے، غیر مسلم حکمرانوں کی حکومتیں ہوگئیں، ایسی صورت میں زکوٰۃ کا نظام (اجتماعی) بھی ختم ہوگیا، اب لوگ انفرادی طور پر زکوٰۃ مصارفِ زکوٰۃ میں صرف کرتے رہے، اسی طرح بہت سے اسلامی قوانین بھی زد میں آئے، اب نہ اسلامی دارالقضاء ہے نہ اسلامی بیت المال، اسلئے کہ اسلامی حکومت ختم ہوگئی۔

ایسے ہی پُر آشوب دور میں فقہاء کرام اور علمائے امت نے ہر جگہ کے مسلمانوں سے کہا کہ وہ اپنے علاقے یا ملک میں ایک شرعی امارت قائم کریں اور کسی اہل اور باصلاحیت مسلمان کو اپنا امیر مقرر کرلیں، اور اس کے تحت دارالقضاء اور بیت المال قائم کرکے اسلامی طریق پر اپنا اجتماعی نظم جاری کریں، مگر مسلم حکومتوں کے زوال اور غیر یقینی صورتحال کے بعد اس طرح کا نظام بھی عام نہیں ہوسکا۔

وقت گذرتا گیا اور مسلمانوں کی ریاستیں وحکومتیں سمٹتی گئیں، مسلمانوں کی ایک مضبوط حکومت صرف ترکی میں قائم ہوسکی جس کو حکمرانوں نے ''خلافت'' کا ہی نام دیا اور اس کو خلافتِ عثمانیہ سے تعبیر کرنے لگے، یہ حکومت گرچہ تقریباً چار سو سال تک قائم رہی اور یہی حکومت مقاماتِ مقدسہ (مکہ، مدینہ، بیت المقدس) کی نگرانی اور تولیت کی ذمہ داری نبھاتی رہی، مگر اسلامی نظم زکوٰۃ وصدقات کیلئے بیت المال کی ایسی صورت نہیں بناسکی جس میں تمام مسلمانوں سے زکوٰۃ لیکر مستحقین کو دے سکتی، اسلئے اب حکومتیں جغرافیائی بنیاد پر علیحدہ انتظام میں بٹ چکی تھیں، اسلامی ممالک مغربی اقوام کے تابع ہوچکے تھے، کسی مرکزی حکومت کے تحت اسلامی ریاستوں کا یکجا ہونا ممکن ہی نہیں تھا، ہر ملک کے حکمراں الگ اور ان کے انتظامات علیحدہ۔

ہندوستان میں نظام زکوٰۃ

ہندوستان میں مسلم حکمرانوں نے طویل صدیوں تک حکومت کی ہے، مختلف خاندان کے حکمراں غیر منقسم ہندوستان کے الگ الگ خطوں میں حکومت کرتے رہے، مگر سب سے مضبوط اور پورے ہندوستان پر حکمرانی مغل حکمرانوں کے حصے میں آئی، بابر سے ابتدا ہوئی اور بہادر شاہ ظفر پر انتہا، یہ سب مسلمان تھے، مگر ان کی حکومتیں قطعی طور پر ''اسلامی حکومت'' نہیں کہی جاسکتی، ظاہر ہے کہ اس میں اسلامی قوانین یا اسلامی بیت المال کے نظم کی ترجیحات کہاں سے ہوسکتی تھیں، اس پر بحث بے سود ہے۔

بہرحال ماضی قریب میں جب بیسویں صدی کا سورج طلوع ہورہا تھا تو ایک اسلامی حکومت (ترکی) کے غروب کا وقت آچکا تھا، یوروپ کے ممالک حکمراں تھے اور افریقہ وایشیا کے ممالک غلام، ہندوستان پر تو ۱۸۵۷ء ہی سے برطانیہ کی مکمل حکمرانی ہوچکی تھی، اب برائے نام ''بادشاہ سلامت'' بھی نہیں رہے، ایسے میں اس ملک میں علماء دین اور اصحاب فقہ وفتاویٰ کے مابین فروعی مسائل میں بحث ومباحثے بھی جاری ہوگئے، اب اس ملک کو دارالحرب یا دارالامن کہا جائے اسمیں بھی اختلافات ہوئے۔

مگر اصحاب تقویٰ وبصیرت علمائے دین کا ایک طبقہ ایسا موجود رہا جس نے ملک میں شرعی امارت اور امیر شریعت کی صدائیں دیں، مسلمانوں سے اپنے عائلی

قوانین اسلامی طرز پر اپنے معاشرے میں نافذ کرنے کی اپیلیں کیں، تاکہ اس کے تحت دارالقضاء بھی ہو اور بیت المال بھی اور اسلامی قوانین کیلئے دارالقضاء سے رجوع کریں، اور بیت المال کے ذریعہ زکوٰۃ وصدقات کے جمع وتقسیم کا اجتماعی نظم کرسکیں، مگر کیا ایسا ممکن ہوسکا؟

بمشکل تمام علماء کی ایک جماعت نے حضرت مولانا محمد سجاد حسین رحمہ اللہ کی نگرانی میں صرف ایک ریاست بہار (موجودہ وقت میں بہار، اڑیسہ اور جھارکھنڈ) میں امارت شرعیہ قائم کی، جس کو اُس وقت مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے نے نظر انداز کردیا بلکہ قبول بھی نہیں کیا، ہندوستان آزاد ہوا تو دولخت ہوگیا، مسلمانوں کی سلطنت کے نام پر ایک ملک پاکستان قائم ہوا جس کا ایک حصہ مغرب میں تھا اور دوسرا مشرق میں، درمیان میں موجودہ ہندوستان، پھر وہ دونوں حصے بھی الگ ہوگئے اور مشرقی پاکستان ''بنگلہ دیش'' میں تبدیل ہوگیا۔

آزادی کے بعد مسلمانوں میں عائلی نظام قوانین اور زکوٰۃ وصدقات کے نظم میں کیا صورتحال ابھری صرف ہندوستان کے تناظر میں اس پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔

آزادی کے بعد ملک بھی پسماندہ رہا اور ملک کے عوام بھی، مسلم اقلیت مزید پریشان حال، رفتہ رفتہ ملک کو استحکام حاصل ہوا اور معاشی طور پر ترقی بھی، مسلمانوں میں بہرحال ایک تعداد وہ بھی تھی جس کے پاس زمینیں تھیں، باغات تھے، اور اموالِ تجارت بھی، بہت سے افراد مالدار تھے، یعنی وہ لوگ جن پر زکوٰۃ فرض تھی، جو لوگ شرعی احکام سے واقف تھے وہ اپنی زکوٰۃ کی رقم غریبوں اور ناداروں، بیواؤں، یتیموں اور مفلسوں میں تقسیم کرتے رہے، ایک بڑی تعداد میں مالدار سے مسلمان بھی تھے جو زکوٰۃ ہی نہیں ادا کرتے، رفتہ رفتہ حالات بدلتے رہے، علماء دین اور اہل مدارس مسلم معاشرے میں تقریر وتحریر کے ذریعہ دیگر

عبادات کی ادائیگی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنے پر زور دیتے رہے، اور بحمداللہ اس کے بہتر نتائج بھی سامنے آئے، دینی اور عصری تعلیم پر بھی مسلمانوں کی توجہ رہی، اور اب تو ماشاء اللہ پورے ہندوستان میں ہزاروں مدارس میں جہاں دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے اور سیکڑوں عصری وفنی تعلیم گاہیں بھی مسلمانوں کی نگرانی میں مصروف خدمت ہیں۔

مسلمانوں میں تعلیم کے تئیں بیداری آتی گئی، زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی میں بھی اضافہ ہوا، اور اس کے حوصلہ افزا نتائج بھی برآمد ہوئے اور ہورہے ہیں، مگر مسلمانوں میں غربت اور فقر وفاقہ یا افلاس ختم ہوگیا ہوا ایسا نہیں ہے، مالدار افراد زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں اور ضرورتمندوں کو زکوٰۃ وصدقات کے ذریعہ مدد بھی ملتی ہے، اور ان ہی زکوٰۃ وصدقات کا ایک بڑا مصرف دینی مدارس کا سلسلہ بھی ہے جو مغرب سے مشرق تک اور شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا ہے، اور ان دینی مدارس میں چونکہ غریب ونادار طلبہ کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اسلئے ان کے جملہ اخراجات (رہائش، طعام، علاج، روشنی، کتابیں) کی کفالت مدراس ہی کرتے ہیں، اور ان مدارس میں زکوٰۃ وصدقات کی رقم کے علاوہ غلہ جات (عشر کی صورت میں) بھی آتے ہیں جن کو دینی تعلیم کے ان طلبہ کے مصرف پر خرچ کیا جاتا ہے جو فی سبیل اللہ کے زمرے میں آتے ہیں۔

اس کے باوجود یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے مالدار افراد میں بہت بڑی تعداد ان افراد کی بھی ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتی، کچھ لوگ پوری زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، البتہ صدقہ کے نام پر تھوڑا بہت خرچ کردیتے ہیں، ہاں بڑے شہروں میں سے ممبئی اور کولکاتہ کے علاوہ قصبہ جات اور گاؤں دیہات کے لوگ فی سبیل اللہ خرچ کرتے ہیں اور یہ تمام ادائیگی انفرادی طور پر ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ انفرادی طور پر زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی کی وجہ سے ہی معاشرے کو خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچتا، غریبوں کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتی، اسلئے مسلمان مالی طور پر پریشانی کے شکار ہیں اور غریب ومحتاج لوگ اپنی حالت ہی پر بدستور ہیں۔

ہندوستان میں زکوٰۃ کے اجتماعی نظم کی آوازیں گاہے بگاہے گونجتی ہیں، اور بعض ادارے یا افراد اس کی پرزور وکالت کرتے ہیں اور گذشتہ چند سالوں سے تو باضابطہ نظم زکوٰۃ کیلئے ادارے بھی قائم ہوگئے ہیں، زکوٰۃ فنڈ، زکوٰۃ فاؤنڈیشن یا بیت الزکوٰۃ جیسے ناموں سے بعض بڑے شہروں میں ادارے بھی قائم ہیں، مگر انھیں بھی یہ شکایت رہتی ہے کہ بہت کم ان میں زکوٰۃ جمع کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ ہندوستان میں بعض جماعتیں یا ادارے ایسے ہیں جہاں امارت قائم ہے اور وہ حتی الامکان اس کو شرعی انداز میں نبھاتے ہیں اور ان کے یہاں بیت المال بھی موجود ہیں، جیسے امارت شرعیہ پٹنہ یا جماعت اسلامی ہند اور اس طرح کے دوسرے ادارے، مگر یہ امارتیں ایک مخصوص خطے یا محدود حلقے تک سرگرم ہیں، اور ان کے بیت المال سے استفادہ کرنے والے مستحقین بہت کم تعداد میں (اونٹ کے منھ میں زیرہ کے مصداق)، جب کہ ان اداروں نے اپنے طور پر بہت کوششیں کیں کہ زکوٰۃ وصدقات اجتماعی طور پر ان کے بیت المال میں جمع ہوجائیں مگر انھیں بھی کامیابی نہیں ملی۔

دوسری طرف امارت یا تنظیم کی بجائے بعض حضرات یا حلقوں نے اپنے طور پر زکوٰۃ فنڈ قائم کئے اور کر رہے ہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ان فنڈوں اور فاؤنڈیشنوں کی حیثیت کسی N.G.O سے زائد نہیں، گوکہ ان کے افراد مخلصین مسلمانوں پر مشتمل ہیں، مگر عام مسلمانوں کا تصور ان کے سلسلے میں ایسی ہی

غیر سرکاری تنظیم کا ہے، زکوٰۃ ادا کرنیوالوں کے ذہن میں ان کے ذریعہ اجتماعی زکوٰۃ کی تقسیم یقینی نہیں ہے، اسلئے وہ زکوٰۃ کا بہت ہی محدود حصہ ان کو دیتے ہیں، یا زکوٰۃ دینے والوں میں بہت کم لوگ اس میں جمع کرتے ہیں۔

عملی حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں زکوٰۃ کے جمع اور تقسیم کا اجتماعی نظم قائم ہوتا ہوا نظر نہیں آتا، لوگ انفرادی طور پر ہی زکوٰۃ ادا کرنا پسند کرتے ہیں اور ترجیح دیتے ہیں اور جیسا کہ جائزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا بیشتر حصہ تعلیم اور معالجے پر صرف ہوتا ہے۔

مؤلف کتاب کا مختصر تعارف

نام: محمد اسلام قاسمی　　　ولدیت: محمد صدیقؒ

ولادت: ۱۶ فروری ۱۹۵۴ء بمقام راجہ بھیٹا ضلع جامتاڑا (دمکا) جھارکھنڈ

تعلیم:

فراغت از دورۂ حدیث (دارالعلوم دیوبند): ۱۹۷۱ء　۱۳۹۱ھ

ادیب کامل علی گڑھ: ۱۹۷۶ء

ایم اے (اردو) آگرہ یونیورسٹی: ۱۹۸۹-۹۰ء

ملازمت:

۱۔ دارالعلوم دیوبند　۱۹۷۶ء پندرہ روزہ الداعی میں معاون مدیر تا مارچ ۱۹۸۲ء

۲۔ دارالعلوم وقف دیوبند از مارچ ۱۹۸۲ء بحیثیت مدرس عربی ادب وحدیث (جاری)

صحافتی مشاغل:

ماہنامہ ''الثقافۃ'' عربی کی ادارت از ۸۳ تا ختم ۱۹۸۴ء

مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''طیب'' دیوبند

پندرہ روزہ ''ندائے دارالعلوم'' کی ادارت سے وابستگی (تقریباً دس سال)

موجودہ مشغولیات:

☆ تدریس عربی زبان و ادب و حدیث نبوی دارالعلوم وقف دیوبند ☆ تصنیف و تالیف ☆ دعوت وتبلیغ ☆ نگرانی وسرپرستی بعض دینی مدارس (جھارکھنڈ)

مطبوعہ تراجم وتصنیفات:

☆ ترجمہ مفید الطالبین ☆ دارالعلوم کی ایک صدی کا علمی سفرنامہ ☆ مقالات حکیم الاسلامؒ ☆ ضمیمہ المنجد عربی اردو ☆ القراءۃ الراشدۃ ترجمہ اردو، تین حصے ☆ أزمۃ الخلیج عربی ☆ خلیجی بحران اور صدام حسین ☆ جدید عربی میں خط لکھئے (عربی، اردو) ☆ جمع الفضائل شرح اردو شمائل ترمذی ☆ منہاج الابرار شرح اردو مشکوٰۃ الآثار ☆ دارالعلوم دیوبند اور حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ ☆ میرے اساتذہ، میری درس گاہیں: درخشاں ستارے ☆ رمضان المبارک فضائل ومسائل ☆ زکوٰۃ وصدقات اہمیت وفوائد ☆ دارالعلوم دیوبند اور خانوادۂ قاسمی ☆ متعلقاتِ قرآن اور تفاسیر

تالیف

حضرت مولانا مفتی محمد اسلام قاسمی صاحب مدظلہ

استاذ حدیث وادب دارالعلوم وقف دیوبند

ناشر

مکتبۃ النور دیوبند

Mob. 9045909066

درخشاں ستارے

تالیف

حضرت مولانا مفتی محمد اسلام قاسمی صاحب مدظلہ
استاذ حدیث وادب دارالعلوم وقف دیوبند

ناشر
مکتبۃ النور دیوبند
Mob. 9045909066